الرسالہ
Al-Risāla

August 2004 • No. 333 • Rs. 10

حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں مگر آدمی انتظار نہ کرنے کی وجہ سے
منفی سوچ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تذکیر القرآن

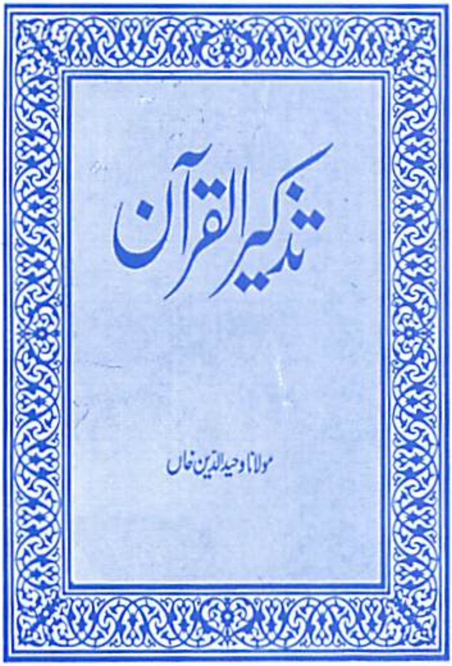

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام وخواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہمِ قرآن کی کنجی ہے۔

ہدیہ: ۴۰۰ روپئے (ہارڈ باؤنڈ)

۲۵۰ روپئے (پیپر بیک)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرسالہ

Al-Risala

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خان

صدر اسلامی مرکز

Al-Risāla

1, Nizamuddin West Market, New Delhi-13
Tel. 2435 6666, 2435 5454
Fax: 2435 7333, 2435 7980
email: info@goodwordbooks.com
website: www.alrisala.org

SUBSCRIPTION RATES
Single copy Rs. 10
One year Rs. 110. Two years Rs. 200
Three years Rs. 300. Five years Rs. 480
Abroad: One year $10/£6 (Air Mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
434, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577
e-mail: info @ ipci-iv.co.uk

DISTRIBUTED IN USA BY
Al-RISALA FORUM INTERNATIONAL
2665 Byberry Rd.
Bensalem, PA 19020 (USA)
Tel/fax: 215-639-3584
e-mail: caleem@juno.com

Printed and published
by Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.
Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

الرسالہ، اگست 2004

فہرست

روحِ دین	2	صرف ایک بار	19
جنت کی نعمتیں	3	ایک تاثر	20
اخلاقی زہر	4	فہرستِ آرزو	21
خوش خبری	5	منصوبۂ تخلیق	22
زلزلہ کا سبق	6	توبہ کا کرشمہ	23
آگ سے بچاؤ	7	جنت کا ٹکٹ	24
ایک نشانی	8	صحیح رخ	25
پہلے آپ	9	پاک کو ناپاک سے	
امتحان کے لیے	10	جدا کرنا	26
رہبانیت	11	روحانیت کیا ہے	27
موت	12	قناعت واحد حل	28
غلطی میری نہیں	13	جہادِ اکبر کیا ہے	29
سچی خوشی	14	معلومات اور تجزیہ	31
پندرہ منٹ میں	15	سب سے زیادہ	
دو بول	16	مبغوض چیز	33
اہلِ جنت	17	سید جمال الدین افغانی	35
رضوان اللہ،		تاریخ پرستی	38
رضوان العباد	18	خبر نامہ اسلامی مرکز	39

روح دین

ایک سفر کے دوران مجھے ایک ایسے ملک میں جانا پڑا جہاں پہلے بادشاہی نظام تھا۔ اب بادشاہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اب وہاں صدر راج قائم ہے۔ قدیم شاہی محل کی تمام شان وشوکت باقی ہے۔ البتہ اب اس کو شاہی محل کے بجائے صدارتی محل کہا جاتا ہے۔

میں اور کانفرنس کے دوسرے شرکا، صدر مملکت سے ملاقات کے لیے صدارتی محل میں لے جائے گئے۔ ہم لوگ جب اس پُرہیبت عمارت میں داخل ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ہر آدمی کا انداز اچانک بدل گیا ہے۔ لوگوں پر خاموشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ ان کی رفتار سست پڑ گئی۔ چہرے پر سنجیدگی کے آثار ظاہر ہو گئے۔ محل کی ہر چیز کو وہ پُر رعب نظروں سے دیکھنے لگے۔

اس منظر کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں، وہ بھی خدا کا ایک عظیم محل ہے۔ اس میں ہر طرف خدا کی عظمت وقدرت کے جلوے نمایاں ہیں۔ اس خدائی محل کے اندر چلتے ہوئے مزید اضافہ کے ساتھ آدمی پر وہ کیفیت طاری ہونا چاہیے جو کسی شاہی محل کے اندر چلتے ہوئے اس کے اندر طاری ہوتی ہے۔

مگر جب میں دنیا کے راستوں میں لوگوں کو چلتے ہوئے دیکھتا ہوں تو یہ محسوس کرکے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں کہ یہاں لوگ اس طرح چل رہے ہیں گویا کہ انھیں اس عظیم حقیقت کی کوئی خبر ہی نہیں۔ لوگوں کے چہروں پر خشوع جھلکتا ہوا نظر نہیں آتا جو از روئے واقعہ ان کے چہروں پر جھلکنا چاہیے۔

لوگوں کے چہروں پر مجھے احتیاط کے بجائے غفلت نظر آتی ہے۔ ان کی چال تواضع کے بجائے سرکشی کی چال معلوم ہوتی ہے۔ ان کے انداز پر ذمہ داری کے بجائے بے حسی کا غلبہ دکھائی دیتا ہے۔ خدا کی دنیا میں چلتے ہوئے لوگ اتنا سنجیدہ بھی نظر نہیں آتے جتنا کوئی شخص کسی ایوان صدارت یا کسی قصر شاہی میں چلتے ہوئے نظر آتا ہے۔

جن لوگوں کا حال یہ ہو کہ انسانی محل میں چلتے ہوئے ان پر ہیبت طاری ہو مگر خدائی محل میں چلتے ہوئے ان پر ہیبت طاری نہ ہو وہ خدا کی رحمت سے آج ہی دور ہو گئے۔

جنّت کی نعمتیں

اُکیدر بن عبد الملک الکندی (م ۱۲ھ) دومۃ الجندل کا عیسائی حاکم تھا۔ غزوہ تبوک (۹ھ) میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کے مقام کے قریب پہونچے تو وہ آکر آپ سے ملا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر آپ کی وفات کے بعد وہ پھر گیا۔ خلیفہ اول کے زمانہ میں حضرت خالد بن الولید ؓ نے اس سے جنگ کی جس میں وہ مارا گیا۔

روایات میں آتا ہے کہ اُکیدر جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے آیا تو اس کے جسم پر نہایت شاندار لباس تھا۔ حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں :

رأیت قباء اکیدر حین قدم بہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجعل المسلمون یلمسونہ بایدیہم ویتعجبون منہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اتعجبون من ھذا، فوالذی نفسی بیدہ لمنادیل سعد بن معاذ فی الجنۃ احسن من ھذا۔

(البدایۃ والنہایۃ ۵/ ۱۷)

میں نے اکیدر کی قبا اس وقت دیکھی ہے جب کہ وہ اس کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ مسلمان اس کی قبا کو اپنے ہاتھ سے چھونے لگے اور اس پر تعجب کرنے لگے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم لوگ اس پر تعجب کر رہے ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بلاشبہ جنّت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے بھی زیادہ اچھے ہیں۔

جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ابدی ہے اسی طرح آپ کا یہ کلام بھی ابدی ہے۔ آپ کا یہ قول صرف پہلی صدی ہجری کے ایک خوش پوش انسان کے بارے میں نہیں ہے بلکہ قیامت تک کی ان تمام دنیوی چیزوں کے بارہ میں ہے جن کی ظاہری رونق پر لوگ تعجب کریں اور جن کو دیکھنے والے رشک کی نظروں سے انھیں دیکھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی جو چیزیں لوگوں کو آج بہت خوش نما نظر آتی ہیں، جنت کی چیزیں ان کے مقابلہ میں بے حساب گُنا زیادہ خوش نما اور پُرراحت ہوں گی۔ اس وقت آدمی کو محسوس ہوگا کہ جو کچھ اس نے کھویا وہ کچھ بھی نہ تھا، جب کہ اس نے جو کچھ پایا ہے وہ سب کچھ سے بھی بہت زیادہ ہے۔

اخلاقی زہر

۶ جنوری ۱۹۹۰ کو دہلی (شکرپور) میں ایک دردناک واقعہ ہوا۔ کچھ چھوٹے بچے ایک میدان میں کھیل رہے تھے۔ وہاں ایک طرف کوڑے کا ڈھیر تھا۔ وہ کھیلتے ہوئے اس کوڑے تک پہونچ گئے۔ یہاں انھیں ایک پڑی ہوئی چیز ملی۔ یہ کوئی زہریلی چیز تھی۔ مگر انھوں نے بے خبری میں اس کو اٹھا کر کھالیا۔ اس کے نتیجہ میں دو بچے فوراً ہی مرگیے، اور آٹھ بچوں کو تشویشناک حالت میں جے پرکاش نرائن اسپتال میں داخل کرنا پڑا۔ یہ بچے دو سال سے پانچ سال تک کے تھے۔

ٹائمس آف انڈیا (۷ جنوری ۱۹۹۰) نے صفحۂ اول پر اس کی خبر دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ان بچوں میں سے ایک نے وہاں ایک چھوٹا پیکٹ پایا۔ اس میں تقریباً ڈیڑھ سو گرام کوئی سفید رنگ کا سفوف تھا۔ انھوں نے غلطی سے اس کو شکر سمجھا اور آپس میں تقسیم کرکے کھانے لگے۔ کھانے کے چند منٹ بعد ان کے ہونٹ نیلے پڑگیے:

> One of them found a small packet containing about 150 gm of white, powdery substance. They mistook it for sugar and distributed it among themselves. Within minuters of consuming it, their lips turned blue.

مادی خوراک کے اعتبار سے یہ چند بچوں کا واقعہ ہے۔ لیکن اخلاقی خوراک کے اعتبار سے دیکھیے تو آج یہی تمام انسانوں کا واقعہ ہے۔ آج کی دنیا میں تمام انسان ایسی اخلاقی غذائیں کھارہے ہیں جو ان کی انسانیت کے لیے زہر ہیں، جو ان کو ابدی ہلاکت سے دوچار کرنے والی ہیں۔

جھوٹ، بدکاری، رشوت، غرور، حسد، الزام تراشی، ظلم، غصب، بددیانتی، وعدہ خلافی، بدخواہی، بے اصولی، بدمعاملگی، انانیت، بے اعترافی، غلطی نہ ماننا، احسان فراموشی، خودغرضی، انتقام، اشتعال انگیزی، اپنے لیے ایک چیز پسند کرنا اور دوسرے کے لیے کچھ اور پسند کرنا، یہ تمام چیزیں اخلاقی معنوں میں زہریلی غذائیں ہیں۔ آج تمام لوگ ان چیزوں کو میٹھی شکر سمجھ کر کھارہے ہیں۔ مگر وہ وقت زیادہ دور نہیں جب ان کا زہریلاپن ظاہر ہوگا۔ اور پھر انسان اپنے آپ کو اس حال میں پائے گا کہ وہاں نہ کوئی اس کی فریاد سننے والا ہوگا اور نہ کوئی اس کا علاج کرنے والا۔

خوش خبری

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب امر حق کا اعلان کیا تو آپ کو وہاں کے لوگوں کی طرف سے سخت اذیت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

آپ کی اہلیہ خدیجہ بنت خویلد فوراً ہی آپ پر ایمان لے آئیں۔ اب تک وہ آپ کی زندگی میں شریک تھیں، اب وہ آپ کی مصیبتوں میں شریک ہوگئیں۔ مخالفین آپ کے گرد جمع ہو کر شور مچاتے طرح طرح سے آپ کو ستانے کی تدبیریں کرتے۔

یہی حالات تھے کہ ایک روز خدا کے فرشتہ جبریل آپ کے گھر آئے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ خدیجہ کو ان کے رب کی طرف سے سلام پہنچا دیجئے۔ اس کے بعد جبریل نے کہا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خدیجہ کو ایک ایسے گھر کی خوش خبری دے دوں جو موتیوں کا ہے، وہاں نہ شور ہے اور نہ تکلیف (أُمِرتُ أنْ أُبَشِّرَ خَدِيجَةَ بِبَيْتٍ مِن قَصَبٍ لَاصَخَبَ فِيهِ وَلَانَصَبَ) سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۵۱

یہ حضرت خدیجہ کے لیے بشارت ہے اور عام اہل ایمان کے لیے نصیحت۔ خدیجہ کے لیے وہ کامیابی کی پیشگی خبر تھی اور دوسروں کے لیے وہ کامیابی کی طرف رہ نمائی۔

مومن کو موجودہ دنیا میں سرکش انسانوں کی طرف سے اذیتیں پیش آتی ہیں۔ ان کا شور اور ان کے اشتعال انگیز الفاظ سننے پڑتے ہیں۔ ایسے موقع پر مومن کو یہ نہیں کرنا ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے لڑنے لگے۔ اس کے برعکس مومن کو چاہیے کہ وہ ان کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی توجہ آخرت کی طرف موڑ دے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے کہے کہ خدایا، مجھے ان ناخوش گواریوں پر صبر کی توفیق دے اور میرے لیے جنت میں ایک ایسا گھر بنا دے جہاں نہ کوئی تکلیف ہو اور نہ کسی قسم کا شور و غل۔

دنیا میں ایک آدمی خدا پرستی کا پیغام لے کر کھڑا ہو، اور انسان پرست لوگ اس سے بگڑ کر اس کے خلاف شور و غل کریں۔ وہ اللہ کے لیے عمل کرنے کی طرف پکارے مگر لوگ اس کو ستانے اور پریشان کرنے کے درپے ہو جائیں۔ ان سب کے باوجود وہ صبر کرے تو ایسے شخص کے لیے اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ اس کو اگلی دنیا میں قیام کرنے کے لیے ایسا نفیس ماحول دے گا جہاں وہ ابدی طور پر شور اور تکلیف دونوں سے محفوظ رہ کر پُر راحت زندگی گزار سکے۔

زلزلہ کا سبق

قدرتی آفتوں میں سب سے بڑی آفت زلزلہ ہے۔ قدیم ترین زمانہ سے انسان زلزلوں کا شکار ہوتا رہا ہے۔ زلزلہ میں جو انسانی موتیں واقع ہوتی ہیں، ان کا سب سے بڑا سبب مکانوں کا گرنا ہے۔ جب زلزلہ کا جھٹکا آتا ہے تو مکانات اچانک گر پڑتے ہیں اور چھوٹے بڑے سب اس کے نیچے دب کر مر جاتے ہیں۔ انسان نے اپنے تجربات میں یہ معلوم کیا کہ جو مکان جتنا زیادہ مضبوط ہو، اتنی ہی آسانی سے وہ زمیں بوس ہو جاتا ہے اور بھیانک حادثات کا سبب بنتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ زلزلہ سے پیدا ہونے والے نقصانات سے بچنے کی تدبیر مکانات کی "مضبوطی" نہیں بلکہ اس کی "کمزوری" ہے۔ مضبوط مکان بے لچک ہوتا ہے، وہ زلزلہ کے مقابلہ میں مستحکم طور پر کھڑا رہنا چاہتا ہے۔ چوں کہ شدید زلزلہ کا جھٹکا ہر مضبوط مکان سے بہت زیادہ ہوتا ہے، اس لیے مکان کی مضبوطی اس کے لیے الٹی پڑتی ہے۔ وہ پورا کا پورا دھڑام سے گر جاتا ہے۔

اس کے برعکس مکان اگر زیادہ مضبوط نہ ہو بلکہ لچک دار ہو تو اس کے اندر زلزلہ کے جھٹکے کو سہارنے کی طاقت آجاتی ہے۔ زلزلہ جب جھٹکا دیتا ہے تو وہ خود بھی ہلنے لگتا ہے۔ اس طرح مکان کا ہلنا اس کو گرنے سے بچا لیتا ہے۔ زلزلہ اگر زمین کو تلپٹ نہ کرے، بلکہ صرف ہلائے، تو ایسے مکانات اکثر محفوظ رہتے ہیں اور اسی کے ساتھ ان مکانوں کے باشندے بھی۔

اس تجربہ کی روشنی میں ارتھ کوئیک انجینیرنگ وجود میں آئی ہے۔ اس انجینیرنگ کے مطابق، زلزلہ کے علاقوں میں ایسے مکانات بنائے جاتے ہیں جن کا ڈھانچہ فلوٹنگ فاؤنڈیشن Floating Foundation، کے اصول پر بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ جب زلزلہ کا جھٹکا آتا ہے تو ایسا مکان ہل کر رہ جاتا ہے، وہ منہدم نہیں ہوتا۔ ۱۹۸۹ میں سان فرانسسکو میں شدید زلزلہ آیا۔ مگر وہاں صرف ۷۵ موتیں ہوئیں۔ جب کہ جون ۱۹۹۰ میں اسی قسم کا زلزلہ شمالی ایران میں آیا تو ۴۰ ہزار آدمی مر گئے۔ اس فرق کا سبب یہ تھا کہ سان فرانسسکو میں لچک دار مکانات بنے ہوئے تھے اور ایران میں اینٹ اور سمنٹ کے مضبوط مکانات۔

یہ قدرت کا ایک سبق ہے جو بتاتا ہے کہ موجودہ حادثات کی دنیا میں بچنے کی تدبیر کیا ہے۔ وہ تدبیر یہ ہے کہ آدمی اس دنیا میں اکڑ کے ساتھ نہ رہے بلکہ تواضع کے ساتھ رہے۔

آگ سے بچاؤ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہونچے تو وہاں آپ نے سب سے پہلے ایک مسجد بنائی جو مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں آپ نے جو پہلا جمعہ پڑھا، اس میں آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :

اے لوگو، اپنے لیے کچھ آگے بھیجو۔ جان لوکہ خدا کی قسم تم میں سے ہر شخص موت کا نشانہ بنے گا۔ پھر وہ اپنی بکریوں کو اس حال میں چھوڑ کر چلائے گا کہ ان کا کوئی چرواہہ نہ ہوگا۔ پھر اس کا رب اس سے کلام کرے گا اور وہاں کوئی ترجمان نہ ہوگا۔ اور نہ درمیان میں کوئی پردہ ہوگا۔ وہ فرمائے گا کہ کیا تمہارے پاس میرا فرستادہ نہیں آیا جس نے تم کو میرا پیغام پہونچایا۔ اور میں نے تم کو مال دیا اور تمہارے اوپر اپنا فضل کیا۔ پھر تم نے اپنے آگے کے لیے کیا بھیجا۔ بندہ اپنے دائیں اور بائیں دیکھے گا۔ مگر وہ کچھ نہ پائے گا۔ پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا۔ تو وہاں جہنم کے سوا اور کچھ نہ دیکھے گا۔ پس جو شخص اپنا چہرہ آگ سے بچا سکے وہ بچائے، خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ کیوں نہ ہو (البدایۃ والنہایۃ، ۲۱۴/۳)

آدمی کے اندر موت اور قیامت کے مسئلہ کا شدید احساس پیدا ہو جائے تو وہ چاہنے لگتا ہے کہ جو بھی قیمت وہ دے سکتا ہے، اس کو دے کر وہ اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے بچائے۔

رات کے وقت وہ بستر پر لیٹا ہوا ہے۔ آخرت کے مسئلہ کو سوچ کر وہ تڑپ اٹھتا ہے۔ وہ اٹھ کر وضو کرتا ہے اور نماز کے لیے کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ خدایا، میری اس نماز کو میری طرف سے قبول کرلے اور مجھے آگ کے عذاب سے بچالے۔ وہ ایک شخص کو مصیبت میں دیکھتا ہے، وہ اپنی محنت کی کمائی کا ایک حصہ اس کو دیتا ہے اور اس کا دل کہہ رہا ہوتا ہے کہ خدایا، آج میں نے جس طرح اس کی مدد کی ہے، تو آنے والے سخت تر دن میں میری مدد فرما۔ ایک حق اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ اپنی پوزیشن کا خیال کیے بغیر اس کا اعتراف کرلیتا ہے اور آنسوؤں کی زبان سے کہتا ہے کہ خدایا، مجھے اپنے ان بندوں میں لکھ لے جنھوں نے دیکھے بغیر تیرا اعتراف کیا۔

ہر عمل کھجور کا ایک ٹکڑا ہے، اور جس آدمی کے پاس جو ٹکڑا ہے، اس کو چاہیے کہ اسی ٹکڑے کو وہ اپنی نجات کے لیے پیش کرے۔

ایک نشانی

پچھلے روز ایک لیڈر کا انتقال ہوگیا۔ آج ٹی وی پر اس کے حالات دکھائے گئے۔ اتفاق سے مجھے اس کو دیکھنے کا موقع ملا۔ کل کے اخبار میں میں نے اس کے انتقال کی خبر پڑھی تھی۔ آج میں نے ٹی وی اسکرین پر دیکھا کہ وہ چل رہا ہے۔ وہ تقریر کر رہا ہے۔ وہ لوگوں سے ملاقات اور بات چیت کر رہا ہے۔ اس طرح دیر تک ٹی وی پر اس کی زندگی دکھائی دیتی رہی۔

اس کو دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ ٹی وی مجھ سے یہ کہہ رہا ہو کہ جس آدمی کو تم نے سمجھا تھا کہ وہ مر گیا، وہ مرا نہیں۔ وہ اب بھی زندہ حالت میں موجود ہے۔ وہ اب بھی ٹھیک اسی طرح زندہ ہے جیسا کہ وہ موت کا واقعہ پیش آنے سے پہلے زندہ تھا۔ اگر تم کو "ٹی وی" کی نگاہ حاصل ہو جائے تو آج بھی تم اس کو پہلے کی طرح چلتے پھرتے دیکھ سکتے ہو۔

ٹی وی خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ وہ نہ دکھائی دینے والی حقیقتوں کو دکھا رہا ہے۔ وہ آج محدود طور پر ان چیزوں کو ظاہر کر رہا ہے جو آئندہ مکمل طور پر تمام لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائیں گی۔ وہ گویا کلی مشاہدہ سے پہلے حقائق کا جزئی مشاہدہ ہے۔

آدمی دنیا میں پیدا ہوتا ہے، وہ بچہ سے بڑا ہوتا ہے۔ صبح و شام کی صورت میں اس کے دن گزرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا آخر وقت آجاتا ہے۔ وہ دنیا کے ماحول سے نکال لیا جاتا ہے تاکہ اس کو آخرت کے ماحول میں بسایا جائے اور اس کے اعمال کے مطابق اس کی ابدی زندگی کا فیصلہ کیا جائے۔

ہر وہ شخص جو پیدا ہوا ہے، وہ ضرور ایک دن موت سے دوچار ہوگا۔ اور موت کے بعد ضرور وہ آخرت کی دنیا میں داخل کیا جائے گا جہاں اس کو خدا کی عدالت میں اپنا مکمل حساب دینا پڑے۔ جس طرح زندگی یقینی ہے، اسی طرح موت یقینی ہے۔ اور جس طرح موت یقینی ہے، اسی طرح قیامت اور آخرت کا معاملہ بھی یقینی ہے۔ آدمی اس سے بھاگ نہیں سکتا، البتہ وہ تیاری کر کے اس کی سختیوں سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ دانش مند وہ ہے جو آج کے اندر کل کو دیکھ لے۔ جو آج کے واقعہ میں اپنے کل کے لیے نصیحت حاصل کر لے۔

پہلے آپ

ڈاکٹر سوجات موکو انڈونیشیا کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ پروفیسر تھے۔ وہ جکارتا یونیورسٹی میں ایک علمی موضوع پر لکچر دے رہے تھے۔ عین لکچر کے دوران ان پر دل کا دورہ پڑا۔ وہ اسٹیج ہی پر گر پڑے اور اسی وقت وفات پاگیے۔ وہ پہلے ایشیائی تھے جو اقوام متحدہ کی امن یونیورسٹی (ٹوکیو) کے پریسیڈنٹ مقرر ہوئے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں:

Prof Dr. Soedjatmoko, one of the leading intellectuals of Indonesia while delivering a lecture at a University campus, in Jogjakarta, had a heart attack, collapsed and expired. He was the first Asian to become the President of UN's Peace University in Tokyo. He has written a number of books.

ڈاکٹر سوجات موکو کا کیس موجودہ دنیا میں ہر آدمی کا کیس ہے۔ پریس اور میڈیا اور پلیٹ فارم کے ظہور نے ہر آدمی کو بولنے کے لامتناہی مواقع دیدیئے ہیں۔ ہر آدمی صبح وشام بولنے میں مصروف ہے۔

آج ہر آدمی دوسروں کو سنا رہا ہے۔ حالاں کہ خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہر آدمی کی طرف آرہے ہیں تاکہ اس کو لے جاکر وہاں کھڑا کردیں جہاں اس کو صرف سننا ہے، سنانے کا موقع آخری طور پر اس کے لیے ختم ہو چکا ہے۔

علم لفظوں سے واقفیت کا نام نہیں ہے بلکہ معانی سے واقفیت کا نام ہے۔ اس دنیا میں سب سے بڑا کام بولنا نہیں ہے بلکہ سب سے بڑا کام چپ رہنا ہے۔ یہاں اصل اہمیت اظہار رائے کی نہیں ہے بلکہ اظہار رائے سے پہلے سوچنے کی ہے۔

بولنے والا حقیقۃً وہ ہے جو اپنے آپ سے بولے۔ بتانے والا وہ ہے جو اپنے دماغ کو سوچنے میں لگائے ہوئے ہو۔ دوسروں کو نصیحت کرنے والا وہ ہے جو دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے آپ کو نصیحت کرے، جو دوسروں کو مخاطب کرنے سے پہلے اپنا مخاطب خود بن جائے۔ جو دوسروں پر بلڈوزر چلانے کا نعرہ لگانے سے پہلے خود اپنی ذات پر بلڈوزر چلا چکا ہو۔

دوسروں کو مخاطب کرنا سب سے آسان کام ہے اور اپنے آپ کو مخاطب کرنا سب سے مشکل۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو اس راز کو جانتے ہوں۔

امتحان کے لیے

امتحان ہال میں طالب علم کو بہت سی چیزیں ملی ہوئی ہیں ۔۔۔۔ بلڈنگ، میز، کرسی، ملازم کاغذ اور بہت سی دوسری چیزیں۔ وہ بلا روک ٹوک ان چیزوں کا استعمال کرتا ہے۔ وہ آزادانہ طور پر ان کے درمیان اپنی نشست پر بیٹھتا ہے۔

بلڈنگ اس کو سردی اور گرمی سے بچاتی ہے۔ میز اور کرسی اس کو آرام کے ساتھ بیٹھنے کی جگہ فراہم کرتے ہیں۔ کاغذ اور دوسرے سامان اس کو موقع دیتے ہیں کہ وہ جس طرح چاہے ان کو استعمال کرے اور جو چاہے کاغذ کے صفحہ پر مرتسم کرے۔

مگر یہ سب کچھ جو طالب علم کو ملتا ہے وہ امتحان کے طفیل میں ملتا ہے۔ وہ صرف اس وقت تک کے لیے اس کا ہے جب تک امتحان کی مدت پوری نہ ہو جائے۔ جیسے ہی امتحان کی مدت ختم ہوتی ہے اس سے وہ سب کچھ چھین لیا جاتا ہے جو اس کو اب تک بے روک ٹوک ملا ہوا تھا، جو دیکھنے والوں کو اس کا ذاتی اثاثہ دکھائی دے رہا تھا۔

ایسا ہی کچھ معاملہ موجودہ دنیا میں انسان کا ہے۔ یہاں آدمی کو بظاہر بہت سی چیزیں ملی ہوئی ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ آزاد ہے کہ جس طرح چاہے یہاں رہے اور جس طرح چاہے اپنی ملی ہوئی چیزوں کو استعمال کرے۔

مگر یہاں جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ سب امتحان کے طفیل میں ہے۔ خدا موجودہ دنیا میں آدمی کا امتحان لے رہا ہے۔ اور اس امتحان کے تقاضے کے تحت وہ بہت سی ضروری چیزیں انسان کو دے دیتا ہے۔ مگر یہ آدمی کے پاس صرف اس وقت تک ہے جب تک امتحان کی مدت ختم نہ ہو جائے۔ امتحان کی مدت ختم ہوتے ہی اچانک اس سے سب کچھ چھن جائے گا۔ وہ آدمی جو آج بظاہر سب کچھ پائے ہوئے ہے وہ اس وقت بالکل بے کچھ ہو جائے گا۔ اس دن وہ اس مسافر کی طرح ہوگا جس کو اچانک لق ودق صحرا میں ڈال دیا جائے۔ وہ اس انسان کی طرح ہوگا جس کو لامتناہی خلا میں بالکل بے سہارا چھوڑ دیا جائے۔

موجودہ حالت اور اگلی حالت کے درمیان صرف موت کی غیر مرئی دیوار حائل ہے۔

رہبانیت

ثم قفینا علیٰ آثارھم برسلنا وقفینا بعیسیٰ ابن مریم وآتیناہ الانجیل وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رأفۃ ورحمۃ ورھبانیۃنِ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا

(الحدید ۲۷)

پھر ہم نے ان کے نقش قدم پر اپنے رسول بھیجے اور انھیں کے نقش قدم پر عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ہم نے اس کو انجیل دی۔ اور جن لوگوں نے اس کی پیروی کی ان کے دلوں میں ہم نے شفقت اور رحمت رکھ دی۔ اور رہبانیت کو مسیحیوں نے خود نکالا، ہم نے اس کو ان پر نہیں لکھا تھا۔ ہم نے ان کے اوپر صرف اللہ کی رضا چاہنا فرض کیا تھا۔ پھر انھوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی۔

اس آیت میں رہبانیت سے مراد یہ ہے کہ آدمی خدا کے نام پر دنیا کو چھوڑ دے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات وہی تھیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔ مگر حضرت مسیح کے دو سو سال بعد ان کے پیرؤوں میں بگاڑ آ گیا۔ ان کا ایک طبقہ رہبانیت میں پڑ گیا۔ وہ لوگ دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے گیے اور دنیوی چیزوں سے بے تعلق ہو کر شدید قسم کی مشقت برداشت کرنے لگے۔ (تفصیل کے لیے انسائیکلو برٹانیکا، جلد ۱۲، مقالہ (Monasiticism)

ان کا یہ ترکِ دنیا مذہب کے معاملہ میں غلو اور تشدد سے پیدا ہوا۔ ان کو زہد کی تعلیم دی گئی تھی جس کا مطلب نفسیاتی زہد تھا۔ مگر انھوں نے نفسیاتی زہد کے حکم کو جسمانی زہد کا حکم قرار دے لیا۔ ان سے کہا گیا تھا کہ دنیا میں مشغول ہو مگر دنیا کو مطلوب و مقصود نہ بناؤ۔ مگر انھوں نے مطلوبیتِ دنیا کی نفی کو مشغولیتِ دنیا کی نفی کے ہم معنی سمجھ لیا۔ یہی ہے حکم خداوندی کی صحیح رعایت نہ کرنا۔

مومن انسانوں کے درمیان زندگی گزارتا ہے مگر اس کی توجہ خدا کی طرف لگی رہتی ہے۔ وہ بظاہر مادی کام میں مشغول دکھائی دیتا ہے۔ مگر اس کا ذہن روحانی سطح پر سرگرم رہتا ہے۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئے ایک ایسا انسان بن جاتا ہے جو آخرت میں بسیرا لیے ہوئے ہو۔

موت

موت کیا ہے، موت معلوم دنیا سے نامعلوم دنیا کی طرف چھلانگ ہے۔ موت "اپنی دنیا" سے نکل کر "دوسرے کی دنیا" میں جانا ہے۔ کیسا چونکا دینے والا ہے یہ واقعہ۔ مگر انسان کی یہ غفلت کیسی عجیب ہے کہ وہ اپنے چاروں طرف لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھتا ہے، پھر بھی وہ نہیں چونکتا۔ حالاں کہ ہر مرنے والا زبان حال سے دوسروں کو بتا رہا ہے کہ جو کچھ مجھ پر گزرا یہی تمہارے اوپر بھی گزرنے والا ہے۔

آدمی پر وہ دن آنے والا ہے جب کہ وہ کامل بے بسی کے ساتھ اپنے آپ کو خدا کے فرشتوں کے حوالہ کر دے۔ موت کا واقعہ ہر آدمی کو اسی آنے والے دن کی یاد دلاتا ہے۔

موت کا حملہ سراسر یک طرفہ حملہ ہے۔ یہ طاقت اور بے طاقتی کا مقابلہ ہے۔ اس میں انسان کے بس میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ وہ کامل عجز کے ساتھ فریق ثانی کے فیصلہ پر راضی ہو جائے۔ وہ یک طرفہ طور پر شکست کو قبول کرے۔

موت انسانی زندگی کے دو مرحلوں کے درمیان حدّ فاصل ہے۔ موت آدمی کو موجودہ دنیا سے اگلی دنیا کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ اختیار سے بے اختیاری کی طرف سفر ہے۔ یہ امتحان کے بعد اس کا انجام پانے کے دور میں داخل ہونا ہے۔

موت سے پہلے کی زندگی میں آدمی صداقت کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ معقولیت کے آگے جھکنے پر راضی نہیں ہوتا۔ موت اس لیے آتی ہے کہ اس کو بے یار و مددگار کرکے حق کے آگے جھکنے پر مجبور کر دے۔ جس صداقت کو اس نے باعزت طور پر قبول نہیں کیا تھا اس کو وہ بے عزت ہو کر قبول کرے۔ جس حق کے آگے وہ اپنے ارادہ سے نہیں جھکا تھا۔ اس حق کے آگے مجبورانہ طور پر جھکے اور اس کی تردید کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے۔

انسان آج حق کی تائید میں چند الفاظ بولنا گوارا نہیں کرتا، جب موت آئے گی تو وہ چاہے گا کہ ڈکشنری کے سارے الفاظ حق کی موافقت میں استعمال کر ڈالے۔ مگر اس وقت کوئی نہ ہوگا جو اس کے الفاظ کو سنے۔ انسان آج ڈھٹائی کرتا ہے، موت جب اس کو پچھاڑے گی تو وہ سراپا عجز و نیاز بن جائے گا، مگر اس وقت کوئی نہ ہوگا جو اس کے عجز و نیاز کی قدردانی کرے۔

غلطی میری نہیں

اڈولف ہٹلر (۱۹۴۵-۱۸۸۹) کی موت کے بعد سے اب تک اس کے بارہ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی تعداد صرف انگریزی زبان میں تقریباً ۵۵ ہزار ہے۔ اس میں تازہ اضافہ برلن کا بنکر (The Berlin Bunker) ہے جو لندن سے چھپی ہے۔ ہٹلر کے آخری ۱۰۵ دن بنکر (فوجی تہ خانہ) میں گزرے تھے۔ مصنف نے اس زمانہ کے ہٹلر کے ساتھیوں سے معلومات حاصل کرکے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ ۱۶ جنوری ۱۹۴۵ کو جب ایک ہزار امریکی بمباروں نے برلن کو تہس نہس کر دیا تو ہٹلر اپنے عملہ کے ساتھ خاموشی سے بنکر کے اندر چلا گیا۔ اس زمانہ میں اس کا اتنا برا حال تھا کہ ۵۵ سال کا ہو کر وہ ۷۰ سال کا دکھائی دینے لگا۔ اس کو ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ روس کی بڑھتی ہوئی فوجیں پہنچ کر اس کو پکڑ لیں گی۔ ان حالات میں ایک ایک شخص اس کا ساتھ چھوڑتا گیا۔ یہاں تک آخر میں صرف اس کا کتا اس کے ساتھ رہ گیا۔

ہٹلر کی حکومت چونکہ شروع سے آخر تک تشدد پر قائم تھی اس لیے ہٹلر کو ہر وقت اپنی موت کا شبہ لگا رہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ۴۵-۱۹۳۹ کے درمیان ہٹلر کے اوپر ۲۵ بار قاتلانہ حملے ہوئے۔ مگر ہر بار وہ بچ جاتا تھا۔ اس کی وجہ اس کا زبردست حفاظتی عملہ نہ تھا۔ بلکہ ہٹلر کا یہ مزاج تھا کہ وہ اکثر بالکل آخر وقت میں اپنا پروگرام بدل دیتا تھا۔ پروفیسر ہاف من کا کہنا ہے کہ ہٹلر بعض اوقات اپنا پروگرام طے کرنے کے لیے سکّہ اچھالتا اور اس کو دیکھ کر فیصلہ کرتا۔

تاہم اس کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ آخر وقت تک ہٹلر نے یہ نہ کہا کہ "میں نے غلطی کی"۔ وہ ہمیشہ اپنے جنرلوں اور یہودیوں اور کمیونسٹوں کو ساری باتوں کا الزام دیتا رہا۔ حتیٰ کہ اپنے عوام کو بھی۔ مایوسی جب اپنی آخری حد پر پہونچ گئی تو ہٹلر نے سائنائڈ کیپسول کھا کر خودکشی کر لی (۶ جنوری ۱۹۸۰)

دنیا میں کوئی آدمی اپنی غلطی کو نہیں مانتا، حتیٰ کہ ہٹلر جیسا آدمی بھی نہیں جس کو تمام دنیا غلط قرار دے چکی ہو۔ آدمی کو معلوم نہیں کہ ایک وقت آنے والا ہے جب کہ وہ اپنی غلطی ماننے پر مجبور ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر وہ اپنی زبان سے نہ کہے کہ میں غلطی پر تھا تو خود اس کے اپنے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے اور وہ اس پر قادر نہ ہوگا کہ ان کو روک سکے (۲۱/۴۱)

سچی خوشی

الزبتھ ٹیلر (Elizabeth Taylor) جب ۲۸ سال کی عمر کو پہونچی تو وہ امریکہ میں گویا شہزادی بن چکی تھی۔ فوٹو گرافر ہر وقت اس کے پیچھے لگے رہتے تھے۔ اور اس کے منھ سے نکلا ہوا ہر لفظ اخباروں میں نمایاں طور پر شائع کیا جاتا تھا۔ اس نے چوتھی بار مئی ۱۹۵۹ میں ایڈی فشر (Eddie Fisher) سے شادی کی۔ مگر اب بھی اسے خوشی نہیں ملی۔ ایک ملین ڈالر سے اس نے اپنی مشہور ترین فلم کلیو پترا (Cleopatra) میں ہیروئن کا کردار ادا کرنا شروع کیا۔ مگر عین شوٹنگ کے وقت وہ بے ہوش ہو گئی اور اس کو اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔

آج کل سب سے زیادہ شہرت ان لوگوں کو ملتی ہے جو سیاست کے اسٹیج پر یا فلم کے اسٹیج پر ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر سیاست اور فلم کے ان ہیروؤں کے اندرونی حالات نہایت ابتر ہوتے ہیں۔ اخبارات کے صفحات میں یا ٹیلی ویژن کے اسکرین پر تو وہ ہنستے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر ان کی حقیقی زندگی اتنی غمزدہ ہوتی ہے کہ انھیں راتوں کو نیند نہیں آتی۔ ان میں سے اکثر کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ گولیاں کھا کر سوتے ہیں اور جب گولی سے بھی نیند نہیں آتی تو شراب اور منشیات کے ذریعہ غم غلط کرتے ہیں۔

کسی نے کہا کہ "سب سے زیادہ ہنسنے والے چہرے سب سے زیادہ غمگین چہرے ہوتے ہیں"۔ جو شخص اپنے دل کی کیفیت کے تحت ہنسے اس کا ہنسنا واقعی ہنسنا ہوتا ہے۔ مگر سیاسی لیڈر اور فلمی ہیرو وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے لیے جیتے ہیں، جو دوسروں کو دکھانے کے لیے بولتے ہیں، ان کا ہنسنا ہمیشہ مصنوعی ہوتا ہے۔

سچی خوشی اس آدمی کے لیے ہے جو خود اپنی ذات میں جینا جانتا ہو۔ جو خود اپنے اندر زندگی کا راز پالے۔ باہر کے لیے جینے والے کبھی سچی خوشی حاصل نہیں کر سکتے۔

مصنوعی خوشی اور حقیقی خوشی میں وہی فرق ہے جو پلاسٹک کے بچہ میں اور زندہ بچہ میں۔ مصنوعی خوشی کا سرچشمہ آدمی کے وجود کے باہر ہوتا ہے۔ اور سچی خوشی کا سرچشمہ آدمی کے وجود کے اندر۔ آدمی اسی چیز سے خوش ہو سکتا ہے جو اندر سے ملے۔ باہر سے ملنے والی چیز کبھی آدمی کو حقیقی خوشی کی نعمت نہیں دے سکتی۔

پندرہ منٹ میں

ٹائمس آف انڈیا (۲ اپریل ۱۹۹۰) میں اوپی نین Opinion کے کالم میں مسٹر رتن کیسوانی کی تحریر چھپی ہے۔ وہ اوبرائے ہوٹل (نئی دہلی) میں رومس ڈویژن منیجر ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ایک خاتون سیاح ان کے ہوٹل میں اتریں۔ جب ٹیکسی انھیں اتار کر چلی گئی تو انھیں یاد آیا کہ ان کا ایک بیگ ٹیکسی میں چھوٹ گیا ہے۔ اس بیگ میں ان کا پاسپورٹ، رقم، کیمرا اور زیورات موجود تھے۔

احتیاطاً انھوں نے ٹیکسی کا نمبر نوٹ کر لیا تھا۔ انھوں نے ہوٹل والوں کو بتایا۔ ہوٹل والوں نے فوراً ٹرافک پولیس کے کنٹرول روم کو ٹیلی فون کیا اور ان کو ٹیکسی کا نمبر بتایا۔ کنٹرول روم نے اسی وقت وائرلیس کے ذریعہ پوری دہلی میں سڑکوں پر کھڑی ہوئی پولیس کو اس واقعہ کی خبر دیدی۔ پورے شہر میں ہزاروں نگاہیں گزرتی ہوئی ٹیکسیوں کا معائنہ کرنے لگیں۔ ابتدائی اطلاع کے صرف پندرہ منٹ کے اندر پولیس والوں نے ہوٹل کو بتایا کہ انھوں نے ٹیکسی کو پکڑ لیا ہے اور اس سے مذکورہ بیگ حاصل کر لیا ہے:

Within 15 minutes they telephoned to say they had located the taxi and taken the bag.

میں نے اس واقعہ کو پڑھا تو مجھے قرآن کی وہ آیت یاد آ گئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے جن اور انسان کی جماعت، اگر تم سے ہو سکے تو تم آسمانوں اور زمین کی حدوں سے نکل جاؤ۔ تم نہیں نکل سکتے بغیر (خدا کی) سلطان کے۔ پھر تم اپنے رب کے کن کن کرشموں کو جھٹلاؤ گے۔ تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا تو تم اپنا بچاؤ نہ کر سکو گے۔ (الرحمٰن ۳۴-۳۵)

مخلوق ایسا کر سکتی ہے کہ وہ ترقی یافتہ مواصلات کے ذریعہ فوری طور پر پولیس کو مطلع کرے اور پولیس منٹوں کے اندر بھاگنے والے کا پتہ کر کے اس کو پکڑ لے۔ جب مخلوق کے اندر یہ طاقت ہے تو خالق کے اندر یہی طاقت مزید بے حساب گنا اضافہ کے ساتھ کمال درجہ میں موجود ہو گی۔ آدمی اگر اس پہلو کو سوچے تو اس کی زندگی میں اچانک انقلاب آ جائے۔

میں کسی حال میں خدا کی پکڑ سے باہر نہیں، یہی احساس تمام اصلاحات کی جان ہے۔ اس کے بغیر کوئی حقیقی اصلاح ممکن نہیں۔

دو بول

آپ امام البخاری کی "صحیح" کو پڑھنا شروع کریں تو جب آپ اس کے خاتمہ پر پہنچیں گے تو آخر میں آپ کو یہ حدیث لکھی ہوئی ملے گی :

عن ابی ھریرۃ، قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم. کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ. سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو بول خدائے مہربان کو محبوب ہیں۔ وہ زبان پر ہلکے ہیں مگر قیامت کی میزان پر بھاری ہیں۔ وہ بول ہیں : سُبحانَ اللہِ وَبِحمدِہٖ سبحان اللہ العظیم ۔

اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں بول زمین و آسمان کی تمام چیزوں سے زیادہ وزنی ہیں۔ وہ قیامت میں اعمال کے ترازو کو جھکا دینے والے ہیں۔ مگر ان بولوں کی یہ اہمیت ان کے تلفظ میں نہیں ہے بلکہ ان کی حقیقت میں ہے۔ وہ اس لیے ہے کہ وہ جس معنویت کا اظہار ہیں وہ معنویت اپنی اہمیت میں تمام چیزوں سے بڑھی ہوئی ہے۔

یہ دونوں بول دراصل معرفت خداوندی کے بول ہیں۔ ایک شخص کو ایمان کی معرفت حاصل ہوئی۔ اس نے اللہ کی پاک ہستی کا ادراک کیا۔ اس نے دیکھا کہ کائنات اپنے اَن گنت کرشموں کے ساتھ اس کی حمد میں نغمہ سنج ہے۔ اس نے اپنے اندر اور اپنے باہر خدا کی عظمت وجلال کی نشانیاں دیکھیں۔ اس معرفت نے اس کے سینہ میں حمدِ الٰہی اور اعترافِ خداوندی کا طوفان برپا کر دیا۔ وہ بے اختیار پکار اٹھا کہ خدایا تو پاک ہے۔ ساری حمد تیرے لیے ہے۔ تو سب سے زیادہ عظمت والا ہے۔ اس کی زبان پر بے اختیار یہ کلمات جاری ہوگیے کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

اس طرح کا ایک بول محض ایک انسانی بول نہیں۔ وہ خدا کی بے پایاں عظمتوں کا انسان کی زبان سے اظہار ہے۔ وہ تمام باوزن چیزوں سے زیادہ باوزن ہے۔ وہ بلاشبہ اسی قابل ہے کہ جس پلڑے میں رکھا جائے اُس پلڑے کو جھکا دے۔

اہلِ جنّت

جنت خدا کی انتہائی بامعنی تخلیق ہے۔ جنت ان قیمتی انسانوں کو دی جائے گی جو دنیا میں خدا کے سچے بندے بن کر رہے ہوں۔ جو لوگ دار الامتحان میں اعلیٰ زندگی گزاریں وہی دار الجزار میں اعلیٰ قیام گاہ کے مستحق ٹھہریں گے۔

جنت اس نادر انسان کے لیے ہے جو غیب کی سطح پر حقیقت کا ادراک کرے۔ جو مفادات اور اعزازات سے بلند ہو کر زندگی گزارے۔ جو نہ دکھائی دینے والی چیزوں کو دیکھے۔ جو کھونے میں پانے کا راز دریافت کرے۔ جو ظاہر سے گزر کر باطن کو دیکھ سکے۔ جو اُنا رکھتے ہوئے اپنے آپ کو بے اُنا بنا لے۔

لوگ تعریف میں خوش ہوتے ہیں، جنت والا آدمی تنقید کا استقبال کرتا ہے۔ لوگوں کو اونچے مقام پر بیٹھنے میں لذت ملتی ہے، جنت والا آدمی اپنے آپ کو نیچے بٹھا کر سکون محسوس کرتا ہے۔ لوگ چیزوں کو مفاد کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں، جنت والا آدمی ہر چیز کو اصول کی نظر سے دیکھتا ہے۔ لوگ اپنے کو نمایاں کرنے کے شائق ہوتے ہیں، جنت والا یہ چاہتا ہے کہ اپنے کو گمنامی کے گوشے میں چھپا لے۔

لوگ دوسروں کا احتساب کرنے کے لیے دوڑتے ہیں، جنت والا انسان اپنے احتساب کے لیے فکرمند رہتا ہے۔ لوگ دوسروں کی غلطی بتانے میں مہارت دکھاتے ہیں، جنت والا انسان اپنی غلطیوں کی تلاش میں گم رہتا ہے۔ لوگ ظاہری رونقوں میں جیتے ہیں، جنت والا انسان اندرونی حقائق کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے۔

لوگوں کی دل چسپی اس میں ہوتی ہے کہ وہ بولیں، جنت والا انسان چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ چپ رہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ دنیا ان کے کارناموں سے واقف ہو، جنت والا انسان چاہتا ہے کہ اس کا ہر کام دنیا کی نظر سے چھپا رہے، لوگ "شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم" کے احساس میں جیتے ہیں، جنت والا انسان اس احساس سے تڑپ اٹھتا ہے کہ میں تو کوئی ایسا کام نہ کر سکا جس کو میں رب العالمین کے سامنے پیش کر سکوں۔

اہلِ جنت کا کردار جنتی کردار ہوتا ہے، اہلِ جہنم کا کردار جہنمی کردار۔

رضوان اللہ، رضوان العباد

قرآن وحدیث میں بار بار مختلف انداز سے یہ بات کہی گئی ہے کہ آخرت کے اعتبار سے صرف اس عمل کی قیمت ہے جس میں ابتغاء رضوان اللہ (الحدید ۲۷) کی روح پائی جاتی ہو۔ جو عمل اس روح سے خالی ہو وہ آخرت کی میزان میں کسی کے کچھ کام آنے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کسی انسان کے صرف ظاہری عمل کو دیکھ کر اس کے بارہ میں فیصلہ نہیں کرتا۔ وہ اس کی قلبی حالت کے اعتبار سے اس کا فیصلہ کرتا ہے جس کو شریعت میں نیت کہا گیا ہے۔ اس پہلو سے تمام انسانی اعمال کی صرف دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو رضوان اللہ (اللہ کی خوشی) حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔ دوسرا وہ جو رضوان العباد (بندوں کی خوشی) حاصل کرنے کے لیے کیا گیا ہو۔

جو شخص رضوان اللہ کا طالب ہو، اس کا رخ ہمیشہ اللہ کی طرف ہوتا ہے، وہ ہر معاملہ میں اللہ کی پسند اور ناپسند کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنا رویہ ہمیشہ اصولِ حق کی بنیاد پر متعین کرتا ہے۔ وہ وہی بات بولتا ہے جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو اور اسی سمت میں چلتا ہے جدھر اللہ نے چلنے کا حکم دیا ہے۔ وہ اپنی اس روش پر قائم رہتا ہے، خواہ تمام انسان اس کے مخالف ہو جائیں۔ خواہ اس کے نتیجہ میں وہ خود اپنے لوگوں سے کٹ جائے۔

اس کے برعکس معاملہ اس شخص کا ہوتا ہے جو رضوان العباد کا طالب بنا ہوا ہو۔ اس کی توجہ کا مرکز اللہ کے بجائے انسان بن جاتے ہیں۔ وہ ہر معاملہ میں اپنی قوم، اپنے حلقہ، اپنی پارٹی اور اپنے دنیوی سرپرستوں کی طرف دیکھتا ہے، وہ ایسے الفاظ بولتا ہے جو ان انسانوں کو پسند ہوں، وہ ایسے عمل کرتا ہے جو ان انسانوں کے درمیان اس کو مقبول بنانے والے ہوں۔

جو شخص رضوان اللہ کا طالب ہو، وہ اللہ کے معاملہ میں آخری حد تک حساس ہوتا ہے۔ وہ ہر دوسرے پہلو کو نظر انداز کر سکتا ہے مگر اللہ والے پہلو کو نظر انداز کرنا اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جو لوگ رضوان العباد کے طالب ہوں، وہ انسانوں کے بارہ میں سب سے زیادہ حساس بن جاتے ہیں وہ انسانوں کا اس طرح لحاظ کرنے لگتے ہیں جس طرح خدا کا لحاظ کرنا چاہیے۔

اوّل الذکر لوگوں کا مقام جنّت ہے اور ثانی الذکر لوگوں کا مقام جہنّم۔

صرف ایک بار

موجودہ دنیا میں لذتِ طلب ہے، مگر یہاں لذتِ حصول نہیں۔ یہاں منزل کی طرف دوڑنا ہے، مگر یہاں کسی کے لیے اپنی مطلوب منزل پر پہونچنا مقدر نہیں۔

ایک شخص زندگی کی جدوجہد میں داخل ہوتا ہے۔ وہ کامیاب زندگی حاصل کرنے کے لیے اپنا سارا وقت اور اپنی ساری طاقت لگا دیتا ہے۔ مگر کامیاب زندگی پالینے کے باوجود اس کا احساس محرومی ختم نہیں ہوتا۔

اپنے نشانہ کے مطابق، جب آدمی قابل اعتماد جاب، اچھی کار، فرنشڈ مکان، حاصل کرلیتا ہے تو اس کے بعد اس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی آرزوؤں کی تکمیل نہ کرسکا۔ اب زندگی اس کے لیے "عیش" نہیں رہتی، بلکہ زندگی اس کے لیے صرف "ذمہ داری" بن کر رہ جاتی ہے۔

آدمی سمجھتا ہے کہ وہ پانے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف کھونے کی طرف تیزی کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہا ہے۔ آدمی اس گمان میں مبتلا ہے کہ وہ اپنے مطلوب کو حاصل کر رہا ہے، حالانکہ اس کے برعکس اصل واقعہ یہ ہے کہ وہ ہر لمحہ اپنے مطلوب سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ وہ اپنا سفر برعکس سمت میں جاری کیے ہوئے ہے۔ اور جو شخص جتنا زیادہ تیز رفتار ہے اتنا ہی زیادہ تیزی کے ساتھ وہ اپنی منزل سے دور ہوتا جا رہا ہے۔

آدمی کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ اس نے دنیا کو اپنا نشانہ بنایا۔ آدمی کے لیے صحیح بات یہ تھی کہ وہ آخرت کو اپنا نشانہ بنائے۔ آدمی کو جاننا چاہیے کہ دنیا صرف بیج بونے کی جگہ ہے، وہ فصل کاٹنے کا مقام نہیں۔ جو آدمی دنیا کو چاہے، اس نے ایسی چیز کو چاہا جو سرے سے ملنے والی نہیں۔ عقل مند وہ ہے جو آخرت کا طالب بنے۔ کیوں کہ آخرت ہی حقیقی ہے، اور وہی وہ چیز ہے جس کو کوئی پانے والا موت کے بعد کی زندگی میں اپنے لیے پائے گا۔

زندگی کا سب سے زیادہ سنگین پہلو یہ ہے کہ یہ زندگی کسی کو صرف ایک بار ملتی ہے۔ آدمی کو صرف ایک بار عمل کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ اس کے بعد صرف ابدی انجام ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ آدمی موجودہ دنیا میں اپنی زندگی کے استعمال کے معاملہ میں انتہائی حد تک سنجیدہ اور محتاط ہو، وہ اپنی زندگی کا رخ متعین کرنے میں آخری حد تک باہوش انسان بن جائے۔

ایک تاثر

جنّت خدا کے محبوب بندوں کی دنیا ہے اور جہنم خدا کے مبغوض بندوں کی دنیا۔ جنت خدا کے انعام یافتہ لوگوں کی بستی ہے اور جہنم خدا کے سزا یافتہ لوگوں کی بستی۔

جنت ان لوگوں کے لیے ہے جو سچائی کا اعتراف کریں، جہنم ان لوگوں کے لیے ہے جو سچائی کی آواز سنیں اور اس کو نظر انداز کر دیں۔ مگر آج وہ روح کہیں نظر نہیں آتی جس کو اعتراف میں لذت ملے۔ ہر آدمی بے اعترافی کی شاخ پر اپنا آشیانہ بنائے ہوئے ہے۔

جنّت ان لوگوں کے لیے ہے جو ہر قسم کی ظاہری عظمتوں سے اپنے آپ کو اوپر اٹھائیں. اور خالص عظمتِ خداوندی میں جینے والے بن جائیں۔ اس کے برعکس جہنم ان لوگوں کے لیے ہے جو غیر خدائی عظمتوں میں جئیں۔ مگر آج کا انسان غیر خدائی عظمتوں میں گم ہے۔ خدائی عظمت میں جینے والا انسان ڈھونڈنے پر بھی کہیں نظر نہیں آتا۔

جنّت ان لوگوں کے لیے ہے جو آخرت کے لیے متحرک ہوں، اور جہنم ان لوگوں کے لیے جو دنیا کی خاطر حرکت میں آئیں۔ مگر آج لوگوں کا یہ حال ہے کہ صرف دنیا کا مفاد انھیں متحرک کرتا ہے آخرت کا مفاد انھیں متحرک کرنے والا نہیں بنتا۔

جنّت ان لوگوں کے لیے ہے جن کا یہ حال ہو کہ خدا و رسول کے حکم کا ایک حوالہ انھیں جھکنے پر مجبور کر دے۔ اور جہنم ان لوگوں کے لیے ہے جو خدا و رسول کے حکم پر جھکنے کے لیے تیار نہ ہوں. مگر آج یہ حال ہے کہ انسان کے نزدیک خدا و رسول کے حکم کوئی اہمیت نہیں۔ اس کے لیے جو چیز سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ اس کی شخصی یا قومی خواہشیں ہیں۔

جنّت ان لوگوں کے لیے ہے جو ربانی اخلاقیات میں جئیں۔ جنھیں سچ بولنے میں لذت ملے، جن کی روح حق کی ادائیگی میں تسکین پائے۔ اس کے برعکس جہنم ان لوگوں کے لیے ہے جو جھوٹ میں لذت پائیں، جو ناانصافی کو اپنی غذا بنائے ہوئے ہوں۔

جہنّم کے دروازہ پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے، اور جنّت کی طرف جانے والا راستہ بالکل سونا پڑا ہوا ہے۔ کیسا عجیب ہے یہ غیر خدائی منظر جو آج خدا کی دنیا میں ہر طرف نظر آتا ہے۔

فہرستِ آرزو

کلیری سمپسن (Cleary Simpson) امریکہ کی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ مختلف قسم کے وقتی جاب کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تمناؤں کے مطابق، ان کو امریکہ کے ٹائم میگزین میں اپنی پسند کا کام مل گیا۔ اس وقت وہ ٹائم کے نیویارک کے دفتر میں ڈائرکٹر (Advertising Sales Director) ہیں۔

ٹائم کے شمارہ ۵ اگست ۱۹۹۱ (صفحہ ۴) میں مذکورہ خاتون کا ہنستا ہوا پُر ابتہاج فوٹو چھپا ہے۔ وہ اس عہدہ کے ملنے پر انتہائی خوش ہیں۔ تصویر کے نیچے ان کا پُر مسرت تاثر ان لفظوں میں درج ہے ـــــ ٹائم کے لیے کام کرنا ہمیشہ سے میری فہرست آرزو پر تھا:

Working for *Time* was always on my wish list.

ہر آدمی کسی چیز کو سب سے بڑی چیز سمجھتا ہے۔ وہ اس کی تمنا میں جیتا ہے۔ وہ اس کا خواب دیکھتا ہے۔ اس کے صبح و شام اس کی یادوں میں گزرتے ہیں۔ وہ اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب وہ دن آئے جب کہ وہ اپنی اس محبوب چیز کو پالے۔ یہ چیز اس کی فہرستِ آرزو میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ درج ہوتی ہے۔ موجودہ دنیا میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں جس کے لیے کوئی نہ کوئی چیز اس طرح مرکز تمنا بنی ہوئی نہ ہو۔

مومن وہ ہے جس نے جنّت کو اپنی فہرستِ آرزو (وِش لسٹ) میں لکھ رکھا ہو۔ ابدی اور معیاری نعمتوں کی وہ دنیا جہاں وہ اپنے رب کو دیکھے گا۔ جہاں سچے انسانوں سے اس کی ملاقات ہوگی۔ جہاں وہ خدا کی رحمتوں کے سایہ میں زندگی گزارے گا۔ وہ دنیا جو لغو اور تاثیم سے پاک ہوگی۔ جہاں صخب اور نصب کو ختم کر دیا جائے گا۔ جس کا ماحول چاروں طرف حمد اور سلامتی سے بھرا ہوا ہوگا۔ جہاں خوف اور حزن کو حذف کیا جا چکا ہوگا۔ جہاں ایسی آزادی ہوگی جس پر کوئی قید نہیں۔ جہاں ایسی لذتیں ہوں گی جن کے ساتھ محدودیت شامل نہیں۔

جب کسی شخص پر زندگی کی حقیقت کھلتی ہے تو وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ اس کے لیے سب سے بڑی چیز جنّت ہے۔ وہ جنّت کا حریص بن جاتا ہے۔ اور جنّت اسی کے لیے ہے جو حرص کے درجہ میں جنّت کا طلبگار بن گیا ہو۔

منصوبۂ تخلیق

قرآن گویا خدا کے تخلیقی منصوبہ کا اعلان ہے۔ قرآن کے ذریعہ خالق نے تمام انسانوں کو بتایا ہے کہ وہ کس خاص منصوبہ کے تحت زمین پر پیدا کیے گئے ہیں۔ اور فکر وعمل کا وہ کون سا طریقہ ہے جس کو انھیں اپنی کامیابی کے لیے اختیار کرنا چاہیے۔ یہ منصوبہ قرآن میں مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک آیت یہ ہے: اللہ نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ وہ تم کو جانچے کہ تم میں سے کون اچھا کام کرتا ہے، اور وہ عزیز وغفور ہے (الملک ۲)

قرآن کے اس بیان کے مطابق، تخلیق کا کلیدی نکتہ ابتلاء (امتحان) ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت اعلیٰ اور معیاری دنیا بنائی جس کا نام جنّت ہے۔ یہ جنت ابدی راحت اور ابدی سرفرازی کی جگہ ہے۔ موجودہ دنیا کی زندگی اس جنت میں داخلہ کا ایک امتحانی مرحلہ ہے۔ جو آدمی یہاں کا مقرر امتحان پاس کرلے اس کے لیے موت کے بعد ابدی جنتوں کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

یہ امتحان کس بات کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ غیب میں رہتے ہوئے آدمی اپنے خدا کو پہچانے اور اپنے دل ودماغ میں اس کو سب سے اونچی جگہ دے۔ وہ اپنے قول وعمل پر خود اپنے فیصلہ سے خدا کی لگام لگائے۔ بظاہر بااختیار رہتے ہوئے وہ اپنے آپ کو خدا کے مقابلہ میں بے اختیار بنالے۔ وہ خدا کی اس تقسیم پر راضی ہوجائے کہ موجودہ دنیا اس کے لیے ذمہ داریاں ادا کرنے کی جگہ ہے، اور آخرت کی دنیا حقوق اور انعام حاصل کرنے کی جگہ۔

جنت میں داخلہ کا ٹکٹ اس انسان کو دیا جائے گا جو جنت کو دیکھے بغیر جنت کی معرفت حاصل کرلے۔ وہ آخرت کی نعمتوں کی خاطر دنیا کی نعمتوں سے بے رغبت ہوجائے۔ وہ آزادی رکھتے ہوئے اپنے آپ کو پابند بنالے۔ وہ اپنی نفسانی خواہشوں کو دبائے اور اپنی ضمیر کی آواز کو اپنا رہنما بنائے۔ وہ بے اصولی کی زندگی کو چھوڑ کر ایک بااصول انسان جیسی زندگی اختیار کرے۔

جو لوگ اس امتحان میں پورے اتریں ان کے لیے خدا کے ابدی انعامات ہیں۔ اور جو لوگ اس میں پورے نہ اتریں ان کے لیے خدا کے یہاں نہ رحمت ہے اور نہ انعام۔

توبہ کا کرشمہ

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ ـــــــ مگر جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (الفرقان ۷۰)
سیئات کا حسنات بن جانا کوئی پُراسرار واقعہ نہیں، یہ ایک معلوم نفسیاتی حقیقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایک شخص جس کے اندر انسانی جوہر موجود ہو، اس سے جب برائی کا کوئی فعل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کا ضمیر نہایت شدت کے ساتھ جاگ اٹھتا ہے۔ اس کی روح آخری حد تک تڑپ اٹھتی ہے۔ اس طرح اس کی برائی اس کے لیے بھلائی کا محرک بن جاتی ہے۔ ماضی کی غلطی کو نہ دہرانے کا احساس اس کے مستقبل کو شاندار طور پر درست کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس نفسیاتی معاملہ کی ایک نہایت واضح مثال حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی زندگی میں پائی جاتی ہے۔

۹۳ھ میں عمر بن عبد العزیز اموی حکومت کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے۔ ان کو دمشق سے خلیفہ الولید کی یہ تحریری ہدایت ملی کہ خُبیب بن عبد اللہ بن الزبیر کو پچاس کوڑے مارو اور سخت جاڑے کے موسم میں ان کے سر پر ٹھنڈا پانی بہاؤ اور ان کو مسجد کے دروازہ پر کھڑا کر دو۔ عمر بن عبد العزیز نے اس حکم پر عمل کیا۔ اسی دن خُبیب کا انتقال ہو گیا۔ خبیب کی موت کے بعد عمر بن عبد العزیز کو خوف خدا کا شدید احساس ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنے کو غیر مامون سمجھنے لگے۔ ان کا حال یہ ہو گیا کہ اگر ان کو ان کے کسی کارِ خیر پر آخرت کے انعام کی بشارت دی جاتی تو وہ کہہ اٹھتے کہ کیوں کر ایسا ہو سکتا ہے جب کہ خبیب میرے راستہ میں ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ کہتے کہ ایسا تو جب ہو گا جب کہ خبیب میرے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ پھر وہ اس عورت کی طرح چیخ پڑتے جس کا بچہ گم ہو گیا ہو۔ جب ان کی تعریف کی جاتی تو وہ کہتے کہ اگر میں خبیب سے بچ گیا تو میں بھلائی پر ہوں۔ اس واقعہ کے بعد وہ آخر عمر تک غم اور خوف میں مبتلا رہے۔ انھوں نے عبادت اور گریہ و زاری کی انتہا کر دی۔ (البدایہ والنہایہ ۹/۸۷)

اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ ان کی طرف سے ایک لغزش تھی۔ مگر اس کے سبب سے ان کو بہت بھلائی ملی۔ یعنی عبادت اور گریہ و زاری اور غم اور خوف اور احسان اور عدل اور صدقہ اور نیکی اور غلاموں کو آزاد کرنا، وغیرہ۔

جنّت کا ٹکٹ

مغربی دنیا کے ایک سفر میں میری ملاقات ایک مسلمان سے ہوئی ۔ ان کی عمر پچاس سال سے اوپر ہو چکی تھی۔ انھوں نے کہا : مجھ کو تو جنّت کا ٹکٹ چاہیے ، مجھ کو آپ صرف یہ بتائیے کہ جنّت کا ٹکٹ کیا ہے ۔

میں نے کہا کہ جنت کا کوئی ٹکٹ نہیں ۔ یہ جنتی ٹکٹ کا معاملہ نہیں ، یہ جنتی شخصیت کا معاملہ ہے ۔ آخرت کی قیمتی جنت اس آدمی کو ملے گی جس نے اپنے اندر جنتی شخصیت کی تعمیر کی تھی ۔ جنت میں داخلہ کسی کو "ٹکٹ" کے ذریعہ نہیں ملے گا ۔ جنت کی قیمت آدمی کا اپنا وجود ہے ، اپنے وجود کی قیمت دے کر ہی کوئی شخص جنت کی دنیا میں اپنے لیے داخلہ پا سکتا ہے ۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ جنت تزکیہ کرنے والوں کے لیے ہے (ذلك جزاء من تزکّیٰ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ کی شرط یہ ہے کہ آدمی مزکّیٰ شخصیت لے کر وہاں پہنچا ہو ۔ یعنی وہ ایک ایسا انسان ہو جس کے اندر پاک روح بسی ہوئی ہو ، جس کا دل اور دماغ آلائشوں سے پاک ہو ۔ جس نے اپنے اندر ربّانی شخصیت کا باغ اگایا ہو ۔

موجودہ دنیا ایک ایسی دنیا ہے جس کے ایک طرف کیچڑ ہے اور دوسری طرف صاف وشفاف پانی ۔ آدمی چاہے تو اپنے کو کیچڑ میں گندا کرے ، اور چاہے تو صاف پانی میں نہا کر صاف ستھرا بن جائے ۔ جو لوگ اپنے آپ کو گندا کریں ، وہ آخرت میں جہنم میں ڈال دیے جائیں گے ۔ اور جو لوگ اپنے آپ کو پاک کریں ، ان کو جنت کی نعمت گاہوں میں بسایا جائے گا ۔

اعتراف کے موقع پر اعتراف کرنا اپنی شخصیت کو پاک کرنا ہے اور اعتراف کے موقع پر بے اعترافی کا رویہ اختیار کرنا اپنی شخصیت کو گندا کرنا ۔ اسی طرح ایک موقع آتا ہے جس میں ایک شخص اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیتا ہے اور دوسرا شخص پست اخلاق کا ۔ ایک موقع آتا ہے جس میں ایک شخص حق تلفی کرتا ہے اور دوسرا شخص حق رسانی ۔ ایک موقع آتا ہے جس میں ایک شخص امین ثابت ہوتا ہے اور دوسرا شخص خائن ۔ ایک موقع آتا ہے جس میں ایک شخص تواضع کے راستہ پر چلتا ہے اور دوسرا شخص سرکشی کے راستہ پر ۔

ان میں سے اول الذکر آدمی اپنی شخصیت کو پاک کرنے والا ہے ، وہ جنت کی نفیس دنیا میں داخلہ پائے گا ۔ ثانی الذکر آدمی اپنی شخصیت کو گندا کرنے والا ہے ، اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا ۔

صحیح رخ

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما رأيت مثل النار نام هاربها وما رأيت مثل الجنة نام طالبها۔ حدیث میں ہارب نار (جہنم سے بھاگنے والا) اور طالب جنت (جنت کا چاہنے والا) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ اسلوب بہت بامعنی ہے۔ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کی تخلیق اس ڈھنگ پر کی گئی ہے کہ وہ عین اپنی فطرت کے اعتبار سے ہارب جہنم اور طالب جنت بنے۔ اگر چہ اپنی فطرت سے انحراف کرکے وہ اس سے مختلف انسان بن جاتا ہے۔

انسان تکلیف کو برداشت نہیں کر پاتا۔ کسی بھی قسم کا دکھ انسان کے لیے آخری حد تک ناپسندیدہ چیز ہے۔ اس کے بجائے انسان کا حال یہ ہے کہ وہ راحت کو دل وجان سے چاہتا ہے، وہ خوشی اور لذت کا انتہائی حد تک دلدادہ ہے۔ چنانچہ اس کی پوری زندگی انھیں دو چیزوں کے گرد گھومتی ہے۔ یعنی مصیبت سے اپنے آپ کو بچانا اور دنیا کی راحت کو اپنے لیے جمع کرنا۔

مگر یہ حقیقت پسندی کے خلاف ہے۔ ساری تاریخ کا تجربہ بتاتا ہے کہ موجودہ دنیا میں کسی انسان کے لیے نہ تو یہ ممکن ہے کہ وہ تکلیف اور مصیبت سے اپنے آپ کو مکمل طور پر بچالے۔ اور نہ کسی کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ راحت اور خوشی کو حقیقی معنوں میں اپنے لیے حاصل کرلے۔ آدمی ساری زندگی اسی کی دوڑ دھوپ میں لگا رہتا ہے۔ مگر آخر کار اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ نہ مصیبتوں سے محفوظ زندگی حاصل کرتا ہے اور نہ آرام وراحت کی دنیا اپنے لیے بنا پاتا ہے۔

ایک طرف انسان کا یہ جذبہ ہے اور دوسری طرف موجودہ دنیا میں اس کا ناقابل حصول ہونا، ان دونوں باتوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس جذبہ کا اصل رخ آخرت کی طرف تھا۔ مگر انسان نے انحراف کرکے اس کو دنیا کی طرف موڑ دیا۔

انسان کی فطرت ہر لمحہ پکار رہی ہے کہ اے شخص تو ہارب جہنم اور طالب جنت بن۔ کامیاب وہ ہے جو اس آواز کو سن کر اس کی پیروی کرے۔ ناکام وہ ہے جو اس آواز کو نہ سنے اور آخر کار ابدی مایوسی کے گڑھے میں جا گرے۔

پاک کو ناپاک سے جدا کرنا

ما کان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ حتیٰ یمیز الخبیث من الطیب وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء فآمنوا باللہ ورسلہ وان تومنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم (آل عمران ۱۷۹)

اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو جس طرح پر تم ہو جب تک جدا نہ کرے ناپاک کو پاک سے۔ اور اللہ یوں نہیں کہ تم کو خبردار کردے غیب کے اوپر۔ بلکہ اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔ پس تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ اور اگر تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری کرو تو تم کو بڑا ثواب ہے۔

اللہ کی نظر میں کون اچھا ہے اور کون برا، اس کا حال اسی دنیا میں کھل جاتا ہے۔ مگر اس کا اندازہ معمول کے حالات میں نہیں ہوتا، بلکہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ غیر معمولی حالات پیش آئیں۔ جب کہ انسان کو اپنے سانچہ کو توڑ کر اور اپنی زندگی کی روش کو بدل کر اس بات کا ثبوت دینا ہو کہ وہ فی الواقع اللہ پر یقین رکھتا ہے اور اس کی پکڑ سے ڈرنے والا ہے۔ ایک آدمی کے ساتھ جب کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آتا ہے تو یہ اللہ کی طرف سے اس کے امتحان کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ اس کو ایک معاملاتی جانچ میں ڈال کر دیکھتا ہے کہ وہ خدا سے ڈرنے والا ہے یا اس کے سینہ میں ایسا دل ہے جو اللہ کے خوف سے خالی ہے۔ معاملہ کے وقت وہ بے انصافی کرتا ہے یا انصاف سے کام لیتا ہے۔ وہ ڈھٹائی کے راستہ پر چلتا ہے یا اعتراف کے راستہ پر۔ وہ گھمنڈ کا طریقہ اختیار کرتا ہے یا تواضع کا۔ وہ خدا کے حکم کو نظر انداز کرتا ہے یا اس کے آگے جھک جاتا ہے۔ جب کسی آدمی اپنے آپ کو اس قسم کے دو امکانات کے درمیان پائے تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ اس کے رب نے اس کو پل صراط پر کھڑا کر دیا ہے جو بال سے زیادہ باریک ہے۔ ایک طرف اگر وہ جھکتا ہے تو وہ جہنم میں جا گرے گا اور دوسری طرف جھکتا ہے تو جنت میں اپنے آپ کو پائے گا۔

کون خدا کی نظر میں کیا ہے، اس کا اعلان فرشتوں کے ذریعہ نہیں کرایا جاتا۔ اس معاملہ میں اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان انسانوں میں سے ایک انسان کو کھڑا کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے حق کی آواز کو بلند کرتا ہے۔ اس آواز کو ماننے یا نہ ماننے میں آدمی کا سب سے بڑا امتحان ہوتا ہے۔ اپنے جیسے ایک انسان کی بولی میں خدا کی آہٹ کو پالینا اپنے جیسے ایک انسان کی آواز میں حق کی تجلیات کو پہچان لینا یہی اللہ کی نظر میں آدمی کا اصل کمال ہے، جو اس کمال کا ثبوت دے وہ اللہ کی نظر میں پاک انسان ہے، اس کے لئے جنت کی سرسبز بستیاں ہیں۔ اور جو لوگ اس جانچ میں ناکام رہیں وہ اللہ کی نظر میں ناپاک لوگ ہیں۔ دنیا میں خواہ وہ کتنے ہی کامیاب نظر آئیں۔ مگر آخرت میں دوزخ کی آگ کے سوا کوئی چیز نہ ہوگی جہاں ان کو ٹھکانا مل سکے۔ آدمی صالح ہے یا غیر صالح، اس کا فیصلہ معمول کے حالات میں نہیں ہوتا بلکہ غیر معمولی حالات میں ہوتا ہے۔ اس کی انصاف پسندی اس وقت کھلتی ہے جب کہ وہ اپنے مخالف سے معاملہ کر رہا ہو۔ اس کی حق طلبی اس وقت معلوم ہوتی ہے جب کہ حق کی آواز اس کو ایک ایسے گوشہ سے سنائی دے جس طرف اس کا گمان نہیں گیا تھا۔

روحانیت کیا ہے

ایک مجلس میں ایک صاحب نے یہ سوال کیا کہ اسلام میں روحانیت کا تصور کیا ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے روحانیت کو پانے کا کیا اصول ہے۔ اس معاملہ کی وضاحت کرتے ہوئے میں نے کہا کہ روحانیت (spirituality) کا لفظ بعد کی تاریخ میں بولا جانے لگا۔ قرآن میں اس مفہوم کے لئے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ربانیت ہے۔ روحانیت بلاشبہ ایک مطلوب چیز ہے۔

عام تصور یہ ہے کہ روحانیت کا مقام پانے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ترک دنیا (renunciation) ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ ترک دنیا سے جو چیز ملتی ہے وہ روحانیت نہیں ہے بلکہ وہ رہبانیت ہے اور رہبانیت اسلام میں نہیں (لا رهبانية في الاسلام)۔

روحانیت یا ربانیت یہ ہے کہ آدمی کی داخلی شخصیت ربانی شخصیت بن جائے۔ وہ خدا اور آخرت کے تصور میں جینے لگے۔ روحانیت کا یہ درجہ فکری انقلاب کے ذریعہ آتا ہے نہ کہ مادی دنیا کو چھوڑنے کے نتیجہ میں۔ یہ فکری انتقال کا ایک عمل ہے نہ کہ جسمانی انتقال کا کوئی عمل۔ قرآن کے مطابق، اس فکری انتقال کا ذریعہ توسم ہے۔ یہ روحانیت کسی کو اس ذہنی بیداری کے ذریعہ ملتی ہے جس کو قرآن میں ذکر کثیر (الجمعة ۱۰) کہا گیا ہے۔

یہ ذکر کثیر کوئی لسانی تکرار نہیں، وہ دراصل ایک فکری عمل ہے۔ یعنی مادی چیزوں میں خدا کی نشانیاں دیکھنا۔ مادی تجربات سے آخرت کا سبق نکالنا۔ دنیا کی ہر چیز میں یہ ربانی پہلو چھپا ہوا ہے۔ روحانیت یہی ہے کہ آدمی دنیوی یا مادی سرگرمیوں کے درمیان رہتے ہوئے ان نشانیوں کو دیکھے۔ وہ مادی تجربہ کو روحانی تجربہ میں کنورٹ کر سکے۔ روحانیت دراصل کنورژن کی اسی ذہنی صلاحیت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ روحانیت نہ دنیا کو ترک کرنے سے ملتی ہے اور نہ الفاظ کی لسانی تکرار سے۔ روحانیت کا درجہ اُس کو ملتا ہے جو مادی دنیا کو اپنے لیے روحانی خوراک بنا سکے۔

قناعت واحد حل

خدا نے موجودہ دنیا کے نظام کو اس طرح بنایا ہے کہ یہاں کسی کو بھی تمام چیزیں نہیں مل سکتیں، خواہ وہ بڑا آدمی ہو یا چھوٹا آدمی۔ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم (فصلت ۳۱) کی دنیا کسی کو صرف اگلی زندگی میں جنت میں مل سکتی ہے۔ موجودہ دنیا میں کسی کے لئے بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی ہر مطلوب چیز کو پالے، اس کی ہر خواہش پوری ہو جائے۔

موجودہ دنیا میں ہر آدمی مایوسی (frustration) کا شکار نظر آتا ہے، ہر آدمی ذہنی تناؤ میں مبتلا ہے۔ اس کا سبب یہی ہے۔ آدمی کو سو میں سے ننانوے چیز مل جائے اور صرف ایک چیز نہ ملے تب بھی وہ پریشان رہتا ہے۔ انسان اپنے مزاج کے اعتبار سے سو چیزوں سے کم پر راضی نہیں ہوتا اور فطرت کے قانون کے مطابق سو چیز اس کو کبھی نہیں ملتی۔ خواہش اور واقعہ کے درمیان اسی تضاد نے تمام لوگوں کو ذہنی سکون سے محروم کر رکھا ہے۔

اس مسئلہ کا حل یہ نہیں ہے کہ آپ الھٰکم التکاثر کی نفسیات میں مبتلا ہو جائیں۔ یہ نفسیات آپ کے لیے مزید پریشانی کا سبب بن جائے گی۔ اس مسئلہ کا حل صرف ایک ہے اور وہ قناعت ہے۔ قناعت کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ آپ کو ملے اس کو آپ فطرت کی تقسیم کا نتیجہ سمجھ کر اس پر راضی ہو جائیں۔ حرص کا مطلب فطرت کی تقسیم پر راضی نہ ہونا ہے۔ اس کے مقابلہ میں قناعت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی فطرت کی تقسیم پر راضی ہو جائے۔ ذہنی سکون اور ذہنی بے سکونی کا سبب تمام تر یہی ہے۔ آدمی اگر جان لے کہ جو کچھ ہوا وہ فطرت کے قانون کے تحت تھا، وہ انسانی ظلم کی بنا پر نہ تھا، تو وہ غیر ضروری پریشانیوں سے بچ جائے۔

یہی بات ایک حدیثِ رسول میں اس طرح کہی گئی ہے: قد افلح من أسلم و رزق کفافاً و قنعه الله بما آتاه (مسند احمد، جلد ۲، صفحہ ۱۶۸) یعنی وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اسلام کو اپنایا اور اُس کو بقدرِ کفاف رزق ملا۔ اور اللہ نے اس کو اُس پر قانع بنا دیا جو اُس نے اُس کو دیا۔

جہادِ اکبر کیا ہے

روزنامہ نوائے وقت (۷ مئی ۲۰۰۴) میں ایک مضمون ''جہاد کی اہمیت'' کے عنوان سے نظر سے گذرا۔ اس مضمون میں جہاد کے حوالہ سے کئی باتیں بتائی گئی تھیں۔ اس مضمون میں جہاد کو مسلّح قتال کے ہم معنیٰ بتایا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں کہا گیا تھا کہ:

''جہاد کا مقصد دنیا میں امن، راحت اور سکون قائم کرنا ہے۔ جہاد حق اور سچائی کے لیے جنگ کرنے کو کہتے ہیں۔''

مضمون سے بظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جہاد یہ ہے کہ لوگوں سے جنگ کر کے انسانی دنیا میں مذکورہ حالت قائم کی جائے۔ مگر یہ ایک بے بنیاد بات ہے۔ مذکورہ مقاصد کا کوئی تعلق جنگ سے نہیں۔ یہ مقاصد صرف پُر امن تبلیغ کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کی سوچ کو بدلا جائے۔ لوگوں کو ایک خدا کا پرستار بنایا جائے۔ لوگوں کے اندر محاسبۂ آخرت کا ذہن پیدا کیا جائے۔ فکری جدوجہد کے ذریعہ لوگوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ بااُصول زندگی گذارنے کو اپنی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھنے لگیں۔ یہ مقصد ذہن کی اصلاح کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، نہ کہ قتل و خون کا میدان گرم کرنے سے۔

جہاد کے موضوع پر آج کل کثرت سے مضامین شائع کیے جارہے ہیں۔ ان مضامین یا کتابوں میں سب سے زیادہ جامع ان کو سمجھا جاتا ہے جن میں جہاد کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں—— نفس سے جہاد اور شیطان سے جہاد اور دشمن سے جہاد۔ مگر اس مقبول تعریف میں وہ چیز چھوٹ گئی ہے جس کو قرآن میں جہادِ اکبر کہا گیا ہے۔ اور یہ دعوت الی اللہ کی راہ میں کوشش کرنا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: وجاهدهم به جهادا كبيرا (الفرقان ۵۲)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ان کے اوپر قرآن کے ذریعہ بڑا جہاد کرو۔ اس بڑے جہاد یا جہاد اکبر سے مراد یہ ہے کہ غیر مسلموں تک اسلام کا ربانی پیغام پہنچانا۔ اسی کا نام دعوت و تبلیغ ہے اور یہی

قرآن کے مطابق، سب سے بڑا جہاد ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ جہاد کے موضوع پر لکھنے اور بولنے والے لوگ اس سب سے بڑے جہاد سے اتنا زیادہ بے خبر ہیں کہ وہ جہاد کی فہرست میں اس کو اب تک شامل نہ کر سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت و اصلاح کی پُر امن کوشش بڑا جہاد ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہتھیار کے ذریعہ مسلّح کوشش چھوٹا جہاد ہے۔ دونوں میں یہ فرق کیوں ہے۔ یہ کوئی پُر اسرار بات نہیں۔ یہ ایک معلوم حقیقت ہے جس کو نفسیات اور تاریخ کے مطالعہ سے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔

مسلّح جدوجہد یا مسلّح جہاد ایک دفاعی عمل ہے۔ کسی نے آپ کے اوپر حملہ کیا اور آپ نے بھی اُس کے اوپر جوابی حملہ کر دیا۔ اس قسم کا عمل محدود دائرہ میں ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ وقتی ہوتا ہے۔ وہ ہر پہلو سے ایک چھوٹا عمل ہے۔ مثلاً رسول اللہ کے مکی دور میں دعوتی جہاد کیا گیا اور وہ مسلسل تیرہ سال تک جاری رہا۔ جب کہ غزوۂ احد کے موقع پر مسلّح جہاد کیا گیا اور وہ صرف آدھے دن میں ختم ہو گیا۔

دعوتی جہاد کامل طور پر ایک پُر امن عمل ہے۔ دعوتی جہاد کا نشانہ یہ ہے کہ انسان کو بدلا جائے۔ انسان کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے ایک نیا انسان بنایا جائے۔ انسان کے اندر وہ اعلیٰ صفت پیدا کی جائے جس کو خدا کی معرفت کہا جاتا ہے۔ انسان کے دل و دماغ میں ایسی تبدیلی لائی جائے کہ وہ مادی دنیا سے اپنے آپ کو اوپر اُٹھائے اور آخرت کی جنت کو اپنا مرکزِ توجہ بنائے۔

یہ انسان کے اندر فکری انقلاب (intellectual revolution) لانے کا عمل ہے۔ اور انسان کے اندر فکری انقلاب لانا بلاشبہہ پہاڑوں کو توڑنے اور سمندروں کو خشک کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو بڑا جہاد کہا گیا ہے۔

جنگ یا مسلّح عمل کے ذریعہ ملک کو فتح کیا جا سکتا ہے۔ مگر دلوں اور دماغوں کو فتح کرنا صرف پُر امن کوشش کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ پُر امن کوشش یا دعوتی عمل بلاشبہہ سب سے بڑی عبادت ہے۔ خدا کے یہاں دعوتی عمل کے اوپر جو انعام مقرر کیا گیا ہے وہ کسی بھی دوسرے عمل کے اوپر مقرر نہیں کیا گیا۔

معلومات اور تجزیہ

ایک صاحب نے ایک جریدہ دکھایا۔ اس میں سید جمال الدین افغانی کے بارے میں ایک مفصل مضمون تھا۔ اس مضمون کا خاتمہ اس طرح ہوا تھا: سید جمال الدین افغانی نے زندگی کے آخری ایام استنبول میں سخت ذہنی اذیت میں گزارے۔ ان کی زندگی کا واحد مقصد عالم اسلام کا اتحاد تھا جو یہاں پورا ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ خفیہ طور پر ان کی جاسوسی بھی کی جاتی۔ آخر اسی کرب میں ۱۸۹۷ کو بعمر اٹھاون برس سرطان کے عارضہ میں انھوں نے استنبول میں وفات پائی۔

سید جمال الدین افغانی کو اپنے زمانہ میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ افغانستان، مصر، ایران، ترکی وغیرہ میں ان کو بہت زیادہ مواقع ملے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ ہر ملک سے نکال دیئے جاتے کیوں کہ وہ جہاں پہنچتے وہاں وہ حکومت کے خلاف اشتعال انگیز تقریر شروع کردیتے۔ سید جمال الدین افغانی کی شخصیت کے بارے میں لوتھروپ سٹوڈراڈ نے درست طور پر لکھا ہے کہ: ان کے خیال کے مطابق، مغرب مشرق کا دشمن ہے۔ یوروپ کے سینے میں آج بھی وہی صلیبی روح کام کررہی ہے جو راہب پطرس کے زمانہ میں مصروف کار تھی۔ اہل مغرب میں اب بھی وہی تعصب جاری وساری ہے۔ یہ ہر طریقہ سے مسلمانوں کی اصلاح وترقی کی تحریکات کو نیست ونابود کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں عالم اسلام پر واجب ہے کہ وہ اپنی بقاء کے لئے متحد ہوجائے۔

سید جمال الدین افغانی اپنی غیر معمولی مقبولیت کے باوجود مکمل طور پر ناکام رہے۔ اس کا سبب تلاش کرتے ہوئے ایک بنیادی بات میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ ان کے اندر غیر معمولی حافظہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی کتاب ایک بار پڑھنے کے بعد ان کے سینے میں محفوظ ہوجاتی تھی مگر میرے علم کے مطابق وہ تدبر کی صفت سے خالی تھی۔ جن لوگوں کا حافظہ بہت اچھا ہو وہ ہر مجلس میں معلومات کا انبار بکھیرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ لوگ ان کی معلومات سے متاثر ہوکر ان کو بڑا عالم مان لیتے

ہیں۔ مگر حقیقی عالم وہ ہے جس کے اندر تجزیہ اور تحلیل (analysis) کی صفت ہو۔ اور میرے علم اور تجربہ کے مطابق فطرت کا یہ اصول ہے کہ جس کے اندر غیر معمولی حافظہ ہوتا ہے اس کے اندر تجزیہ کی صلاحیت موجود نہیں ہوتی۔

کسی شخص کو حافظہ کی قوت حاصل ہو تو اس کے دماغ میں معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ اکھٹا ہو جائے گا۔ اُس کی گفتگو اور اس کی تقریر و تحریر میں معلومات کی کثرت دکھائی دینے لگے گی۔ عام لوگ اس کو ایک قابل انسان سمجھنے لگیں گے۔ مگر اس کی معلوماتی بارش سے کوئی فصل نہیں اُگے گی۔ حتیٰ کہ اگر آپ سننے والوں سے پوچھیں کہ جس کی تقریر کی تم تعریف کر رہے ہو اُس کی تقریر کا خلاصہ کیا تھا تو یہ لوگ اُس کا کوئی خلاصہ بتانے میں ناکام رہیں گے۔

تجزیہ کے بغیر معلومات کی حیثیت ایک جنگل کی ہے۔ تجزیہ کیا ہے۔ تجزیہ یہ ہے کہ مختلف معلومات کا گہرا مطالعہ کر کے اُس کا نتیجہ نکالا جائے۔ مثلاً ہندستان کی آزادی سے پہلے ایک سیاسی لیڈر کی تقریر بہت مقبول ہوئی۔ اُن کا حافظہ اتنا زبردست تھا کہ وہ محض اپنی یادداشت سے انگریزی حکومت کے خلاف زبردست معلوماتی تقریر کرتے اور پھر یہ کہہ کر لوگوں کو مسحور کر دیتے کہ:

Slavery or freedom, choose between the two.

حالاں کہ اگر انہیں بصیرت کی نظر حاصل ہوتی اور وہ حقیقی واقعات کی روشنی میں فیصلہ کر پاتے تو اس کے بجائے شاید وہ یہ کہتے کہ:

Non-corrupt British rule or corrupt
Indian rule—choose between the two.

وہ تمام لیڈر جنہوں نے قوموں کو تباہی سے دوچار کیا، وہ وہی لوگ تھے جن کے پاس حافظہ تو تھا مگر اُن کے پاس تجزیہ کی طاقت موجود نہ تھی۔ اس بنا پر وہ حالات کو گہرائی کے ساتھ سمجھ نہ سکے۔ حافظہ بھیڑ اکھٹا کر سکتا ہے۔ مگر تجزیہ اور تحلیل کے بغیر کسی نتیجہ خیز جدوجہد کا ظہور ممکن نہیں۔

سب سے زیادہ مبغوض چیز

نوائے وقت کے شمارہ (۷ مئی ۲۰۰۴) میں ایک مضمون "فکروعمل کی گھڑی" کے عنوان کے تحت تھا۔ اس مضمون میں پاکستان کے ریٹائرڈ جنرل مرزا اسلم بیگ کا یہ خیال نقل کیا گیا تھا کہ جنرل بیگ کے مطابق، دوسری عالمی جنگ بیسویں صدی کا ایک عظیم واقعہ ہے۔ اس تاریخی سانحہ نے جتنا اس دنیا کو بدلا ہے کسی اور واقعہ نے نہیں بدلا۔ دوسری جنگ عظیم کے طفیل دنیا میں مسلم ملکوں کی تعداد تین سے بڑھ کر ستاون ہوگئی ہے۔

یہ بات بطور واقعہ درست ہے۔ آزاد مسلم ملکوں کی اسی کثرت کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں مسلم ملکوں کی تعداد کسی بھی دوسرے گروپ سے زیادہ ہوگئی ہے۔ مگر مضمون نگار (کے ایم اعظم) نے اس نقطۂ نظر پر شک ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ (آج یہ صورت حال ہے کہ) ہر طرف مسلمان ہی لڑ رہے ہیں۔ ہر جگہ مسلمان ہی شہید ہو رہے ہیں۔

یہ کہنا درست نہیں کہ ہر طرف مسلمان ہی مارے جا رہے ہیں۔ زیادہ درست بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہر طرف مسلمان ہی اپنے آپ کو مروا رہے ہیں۔ آج کل نام نہاد مجاہدین کے ساتھ مختلف مقامات پر جو کچھ پیش آ رہا ہے وہ یقینی طور پر جہاد نہیں ہے بلکہ وہ "آ بیل مجھے مار" کا واقعہ ہے۔ یہ اس حدیث رسول کی خلاف ورزی ہے کہ: لا تتمنوا لقاء العدو واسئلوا اللّٰہ العافية (تم خود دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو بلکہ تم اللہ سے ہمیشہ عافیت مانگو)۔

موجودہ زمانہ کے مسلمان اس حدیث کو تو جانتے ہیں کہ: أبغض الحلال الی اللّٰہ الطلاق۔ مگر ان مسلمانوں کو یہ نہیں معلوم کہ اللہ کے نزدیک طلاق سے بھی زیادہ مبغوض چیز جنگ ہے۔ بعد کے مسلمانوں کی روش پر تنقید کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر نے بجا طور پر فرمایا تھا کہ اصحاب رسول نے جنگ کو ختم کرنے کے لیے جنگ کی، اور تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ نئے عنوان کے ساتھ جنگ دوبارہ شروع ہو جائے۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے — اور جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے تو وہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے۔ حالاں کہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرہ ۲۰۵)

فساد کا الٹا صلاح ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد اور صلاح کا معیار کیا ہے۔ اور کس طرح دونوں کو الگ الگ پہچانا جاسکتا ہے۔ وہ معیار نتیجہ (result) ہے۔ آیت کے مطابق، وہ عمل فساد ہے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ انسانی سماج میں تخریبی سرگرمی بڑھے۔ زراعت اور اقتصادیات میں تباہی آئے۔ انسانی جانیں قتل ہونے لگیں۔ سماج میں امن کی جگہ بدامنی پیدا ہو جائے۔ ہر وہ عمل فساد ہے جو انسانی سماج میں اس قسم کا منفی نتیجہ پیدا کرے خواہ بظاہر اُس کو جہاد کے مقدس نام سے شروع کیا گیا ہو۔

اس کے مقابلہ میں وہ عمل صلاح وفلاح کا عمل ہے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ زمین کے اوپر مثبت سرگرمیاں جاری ہوں۔ جس کے نتیجہ میں زراعت و باغبانی ترقی کرے، جس کے ذریعہ اقتصادیات کو فروغ حاصل ہو، جس کے نتیجہ میں لوگوں کی جانیں محفوظ ہوں اور صحت عامہ (health sciences) کو ترقی حاصل ہو، جو انسانوں کے درمیان دوری کو ختم کرکے اُنہیں ایک دوسرے سے قریب کردے۔

خدا کی نظر میں جنگ سب سے زیادہ مبغوض چیز ہے، اور امن سب سے زیادہ پسندیدہ چیز۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جنگ کے ماحول میں نفرت اور تشدد کو پھیلاؤ ملتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں امن کے ماحول میں محبت اور تعمیر وترقی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

ایک ایسا اقدام جس کا نتیجہ تخریب کی صورت میں نکلے، وہ اسلام میں بلاشبہہ ایک غیر مطلوب فعل ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بے شعوری کی بنا پر اس قسم کا اقدام کرے تو اقدام شروع کرنے کی حد تک اُس کو معذور قرار دیا جاسکتا ہے۔ مگر ایسے کسی عمل کو مزید جاری رکھنے کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں۔ آدمی کے لیے فرض کے درجہ میں ضروری ہے کہ تخریبی نتیجہ نکلنے کی صورت میں فوراً ہی یوٹرن لے کر وہ اپنے اقدام کو روک دے اور اپنی سابقہ حالت کی طرف واپس چلا جائے۔

سید جمال الدین افغانی

روزنامہ نوائے وقت کا شمارہ ۷ مئی ۲۰۰۴ دیکھنے کو ملا۔ اس میں ایک مضمون سید جمال الدین افغانی کے بارہ میں تھا۔ اس کے لکھنے والے ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی تھے۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ سید جمال الدین افغانی جب مصر آئے تو یہاں ان کا بہت استقبال کیا گیا۔ یہاں وہ تقریباً ۹ سال تک رہے۔ ''قاہرہ کے زمانۂ قیام میں انھوں نے جامعہ الازہر میں فقہ، حدیث، فلسفہ اور تصوف پر لیکچر دینا شروع کیا۔ یہ لیکچرز انتہائی ذوق وشوق سے سنے جاتے اور ایک ایک لفظ قلم بند کیا جاتا۔ سید جمال الدین افغانی قدیم علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی بنیادی باتوں سے بھی طلبہ کو روشناس کراتے۔ ان انقلابی اقدام کے باعث بعض قدامت پرست علماء ناک بھوں چڑھاتے اور ان کی جدت پسندی کو بدعت سے تعبیر کرتے۔ مثلاً جغرافیہ کا لیکچر دیتے وقت سید جمال الدین افغانی گلوب (globe) کا استعمال کرتے اور اس کے ذریعہ طلبہ کو سمجھاتے۔ یہ چیز ان علماء کے لئے بالکل نئی تھی۔ تاہم وہ علّامہ کی علمی عظمت کے سامنے خاموش رہتے اور یہ بدعتیں برداشت کر لیتے۔''

سید جمال الدین افغانی ۱۸۳۸ میں اسعد اباد میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹۷ میں ان کی وفات ہوئی۔ اُس زمانہ میں مسلم علماء کا حال کیا تھا، اُس کی ایک مثال مذکورہ واقعہ میں ملتی ہے۔ اُس زمانہ میں مسلم علماء کی فکری محدودیت اتنی زیادہ بڑھی ہوئی تھی کہ وہ گلوب جیسی چیز کے تعلیمی استعمال کو بھی ایک بدعت سمجھتے تھے۔ حالاں کہ جغرافی گلوب جیسی چیز کا بدعت سے کوئی تعلق نہیں۔ بدعت دراصل تعبدی امور میں نئی چیز نکالنے کا نام ہے۔ جہاں تک دنیوی امور (مثلاً جغرافی گلوب) کا تعلق ہے وہ ضروریاتِ انسانی کے تابع ہے۔ ان معاملات میں جو چیز بھی انسان کے لیے مفید ہو اس کو اختیار کرنا عین جائز ہوگا۔

میں نے ایک صاحب سے کہا کہ سید جمال الدین افغانی نہایت ذہین آدمی تھے۔ وہ کئی زبانیں جانتے تھے۔ انھوں نے بہت سے ملکوں کا سفر کیا تھا۔ مگر اس تمام مطالعہ اور مشاہدہ کا نتیجہ صرف

یہ نکلا کہ وہ انگریزوں کے دشمن بن گئے جو اس زمانہ میں نوآبادیاتی توسیع کے گویا امام بنے ہوئے تھے۔ سید جمال الدین افغانی نے اپنی پوری زندگی اس مقصد کے لیے وقف کردی کہ وہ مسلم دنیا سے انگریز کے سیاسی کنٹرول کا خاتمہ کردیں۔

منفی سوچ کسی گہری حقیقت کو سمجھنے میں مانع بن جاتی ہے۔ اس اصول کی ایک واضح مثال سید جمال الدین افغانی ہیں۔ وہ نوآبادیاتی دور کے مثبت پہلو کو سمجھ نہ سکے۔ اصل یہ ہے کہ یہ قانون فطرت کا ایک معاملہ تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی سیاسی توسیعات کا دور شروع ہوا جو کئی صدی تک جاری رہا۔ یہ اس دور کے لیے ایک شاک ٹریٹمنٹ (shock treatment) تھا جس نے دنیا کو جھنجھوڑا اور اس کو توہماتی دور سے نکال کر فکری آزادی کے دور میں پہنچایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہزار سال پہلے اگر مسلمانوں کی سیاسی توسیعات کا واقعہ پیش نہ آتا تو دنیا بند ماحول سے نکل کر کھلے ماحول تک نہ پہنچتی۔

اسی طرح نشأۃ ثانیہ (renaissance) کے بعد مغرب کی نوآبادیاتی توسیع کا جو دور شروع ہوا وہ بھی فطرت کی اسکیم کے مطابق تھا۔ دوبارہ یہ ایک شاک ٹریٹمنٹ تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کو روایتی دور سے نکال کر اس کو سائنسی دور میں پہنچایا جائے۔ فطری قانون کے زور پر یہ کام بہر حال انجام پایا۔ مگر جہاں تک مسلم رہنماؤں کا تعلق ہے وہ فطرت کی اس اسکیم سے مکمل طور پر بے خبر رہے۔ انھوں نے انتہائی بے خبری اور بے شعوری کے تحت ان مغربی طاقتوں سے نفرت کی اور ان کے خلاف ایک بے معنیٰ جنگ چھیڑ دی۔ یہ جنگ فطرت کی اسکیم کے خلاف تھی۔ چنانچہ وہ حبط اعمال کا شکار ہوگئی۔ جان و مال کی بے شمار قربانیوں کے باوجود اس کا کوئی مثبت فائدہ مسلمانوں کے حصہ میں نہیں آیا۔

مزید عبرت کی بات یہ ہے کہ انھی مغربی قوموں کی بنائی ہوئی دنیا میں جا کر آج کی مسلم نسلیں ہر قسم کے مادی فائدے حاصل کررہی ہیں۔ جب کہ ان کے باپ اور دادا ان مغربی قوموں کو اسلام کا دشمن بتا کر اس کو ایمان کے منافی سمجھتے تھے کہ ان سے کسی قسم کی قربت یا تعاون کیا جائے۔ غلط رہنمائی کی جو مثال موجودہ زمانے کے مسلم رہنماؤں نے پیش کی ہے اس کی کوئی دوسری مثال پوری انسانی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ اس قسم کی غیر حقیقت پسندانہ رہنمائی کا انجام اولاً تباہی ہوتا ہے اور آخر میں منافقت۔

مجھے اپنی نوجوانی کی عمر کا تجربہ یاد آتا ہے۔ اُتر پردیش میں ہمارے گاؤں کے قریب سے ریلوے لائن گذرتی تھی۔ یہ ریلوے لائن میری پیدائش سے پہلے ۱۹۰۱ میں انگریزوں نے بچھائی تھی۔ اُس وقت وہ میٹر گیج تھی جواب براڈ گیج ہو چکی ہے۔ یہ ریلوے لائن ہمارے گاؤں سے اتنا زیادہ قریب تھی کہ وہ ہمارے گھر کی چھت سے دکھائی دیتی تھی۔ رات کے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت سے روشن ڈبے سیٹی بجاتے ہوئے زمین پر دوڑ رہے ہیں۔

ریلوے لائن کا یہ واقعہ اس بات کا ایک مظاہرہ تھا کہ موجودہ زمانہ میں ایک نیا علم وجود میں آیا ہے جس کے ذریعہ یہ ممکن ہو گیا ہے کہ غیر متحرک مادہ کو متحرک سواری میں تبدیل کیا جا سکے۔ مگر مجھے یاد ہے کہ ۱۹۴۷ سے پہلے میں اس حقیقت سے شعوری طور پر آگاہ نہ ہو سکا تھا۔ کیوں کہ اس وقت کے لیڈروں اور رہنماؤں نے مجھے صرف یہ بتایا تھا کہ یہ ریلوے لائنیں دراصل لوہے کی زنجیریں ہیں جن کے ذریعہ انگریز ہم کو اپنی غلامی میں جکڑ دینا چاہتا ہے۔

۱۹۴۷ کے بعد جب میں نے براہِ راست جدید علوم کا مطالعہ کیا۔ اُس وقت میں نے یہ دریافت کیا کہ ریلوے کا نظام اس بات کی ایک علامت ہے کہ جدید انسان نے کس طرح نیچر کی طاقتوں کو دریافت کیا ہے اور اس کو انسانیت کی خدمت کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ ۱۹۴۷ سے پہلے میری اس بے خبری کا نتیجہ صرف یہ تھا کہ اُس وقت کے رہنماؤں کی تقریریں اور تحریریں میرے لیے صحیح رُخ پر سوچنے میں رکاوٹ بن گئیں۔

قوموں کو بنانے والے دراصل اُن کے رہنما ہوتے ہیں۔ رہنما حالات کا جس طرح مطالعہ کرتے ہیں اُسی طرح عوام اُن کا مطالعہ کرتے ہیں۔ عوام کی سوچ ہمیشہ اپنے رہنماؤں کی سوچ کے تابع ہوتی ہے۔ بہت کم ایسے خوش قسمت لوگ دنیا میں پیدا ہوئے ہیں جو رہنماؤں کی باتوں سے اوپر اٹھ کر سوچیں۔ جو خود اپنے مطالعہ اور مشاہدہ کے ذریعہ اپنی سوچ کا نقشہ بنائیں۔

تاریخ پرستی

پچھلی قوموں کی تاریخ دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر قوم کا یہ حال ہوا کہ اس نے ماضی کے پیغمبر کو مانا مگر اس نے اپنے ہم زمانہ پیغمبر کا انکار کردیا۔ مثلاً یہودی حضرت موسیٰ کو مانتے تھے مگر جب حضرت مسیح آئے تو انھوں نے مسیح کو ماننے سے انکار کردیا۔ اسی طرح عیسائیوں نے حضرت مسیح کو مانا مگر انھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے سے انکار کردیا۔ یہی تقریباً تمام قوموں کی گمراہی کا حال رہا ہے۔

یہی قوموں کا اصل امتحان ہوتا ہے۔ ہر قوم اسی نفسیات میں مبتلا رہتی ہے۔ ہر قوم کا امتحان یہ ہے کہ وہ اپنی اس نفسیات سے باہر آئے، وہ اس معاملہ میں اپنی کنڈیشننگ کو توڑے، وہ مصلحین کو ان کے جوہر (merit) کی بنیاد پر پہچانے، نہ یہ کہ وہ ماضی سے تعلق رکھتے ہیں یا حال سے۔ موجودہ مسلمان بھی مکمل طور پر اسی کمزوری میں مبتلا ہیں۔ وہ اپنے ماضی کے اکابر کی خوب تعریف کرتے ہیں، ان پر سیمینار کرتے ہیں، ان پر مضامین اور کتابیں شائع کرتے ہیں۔ ان کے نام پر ادارے بناتے ہیں، وہ بڑے بڑے القاب کے بغیر ان کا نام نہیں لیتے۔ مگر یہی مسلمان حال کے مصلحین کو رد کردیتے ہیں۔ وہ اپنے معاصر دعاۃ اور مصلحین کو حقیر سمجھتے ہیں۔ وہ ان کا ساتھ دینے کے بجائے ان کو بدنام کرتے ہیں۔ یہی نفسیات مسلمانوں کی بربادی اور ناکامی کا اصل سبب ہے۔ مسلمان جب تک اپنے آپ کو اس نفسیات سے باہر نہیں لائیں گے ان کو نہ خالص سچائی ملے گی اور نہ وہ حقیقی معنوں میں کوئی بڑا کام کرسکیں گے۔

خدا پرست انسان وہ ہے جو اس قسم کی نفسیات سے بُلند ہو۔ خدا پرست آدمی کسی انسان کو اُس کی میرٹ کی بنیاد پر پہچانتا ہے، نہ کہ تاریخی روایات کی بنیاد پر۔ خدا پرست آدمی کی نظر معانی پر ہوتی ہے اور تاریخ پرست آدمی کی نظر صرف ظواہر پر۔ خدا پرست انسان چیزوں کو خدا کی نسبت سے دیکھتا ہے، اور غیر خدا پرست انسان چیزوں کو غیر خدا کی نسبت سے۔

۱۔ سہارا سے (ٹی وی چینل) کی ٹیم نے ۱۳۰ اکتوبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا ٹی وی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ انٹرویو مسٹر ضمیر ہاشمی تھے۔ سوالات کا تعلق اسلام کے مختلف موضوعات سے تھا۔ مثلاً روزہ کے سماجی فوائد، اسلام میں جہاد کا حکم، وغیرہ۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں تمام سوالات کے جواب دئے گئے۔ ایک بات یہ کہی گئی کہ اسلام کی تعلیمات صرف ثواب و عذاب کی اصطلاح میں بیان کرنا کافی نہیں۔ علماء کو یہ کرنا چاہیے کہ وہ جدید ذہن کو سمجھیں اور اسلام کی تعلیمات کو ایسے انداز میں بیان کریں جو آج کے انسان کے لیے قابل فہم ہو۔ جس کو سن کر آج کا انسان یہ سمجھے کہ اسلام موجودہ زمانہ سے بھی اتنا ہی تعلق رکھتا ہے جتنا کہ وہ پچھلے زمانہ سے تعلق رکھتا تھا۔

۲۔ جوہانسبرگ میں چینل اسلام انٹرنیشنل کے پروگرام کے تحت صدر اسلامی مرکز نے ۱۵ منٹ کی ایک تقریر یکم نومبر ۲۰۰۳ کو انگریزی میں کی۔ یہ تقریر دہلی سے ٹیلی فون پر کی گئی جو جوہانسبرگ میں ریڈیو پر نشر کی گئی۔ اس کا موضوع اسلام اور پیس تھا۔

۳۔ انٹر ریلیجس اور انٹرنیشنل فیڈریشن فار ورلڈ پیس (IIFWP) کے زیر انتظام ایک تین روزہ سیمینار (۷۔۹ نومبر ۲۰۰۳) ہوا جس کا موضوع "لیڈرشپ" تھا۔ یہ سیمینار گڑگاؤں کے رزورٹ بسٹ ویسٹرن کورٹ کنٹری کلب میں منعقد کیا گیا۔ اس کا پورا پروگرام انگریزی میں ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور موضوع پر مختصر اظہار خیال کیا۔

۴۔ اے آر وائی گولڈ (ریڈیو چینل) دبئی کے تحت مسٹر پرویز ہاشمی نے ۲۰ نومبر ۲۰۰۳ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامک سنٹر کا ایک انٹرویو دبئی سے ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر دو موضوع سے تھا — رویت ہلال اور جہاد۔ رویت ہلال کے بارے میں بتایا گیا کہ قرآن میں فمن شهد منكم الشهر فليصمه کا لفظ آیا ہے۔ اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ رصدگاہ کی شہادت شرعی طور پر معتبر ہے۔ اس کو مان لیا جائے تو تمام نزاع اپنے آپ ختم ہو جائے گی۔ جہاد کے بارے میں بتایا گیا کہ جہاد اسلام میں صرف دفاع کے لیے ہے اور اس کا حق صرف باقاعدہ حکومت کو حاصل ہے۔ موجودہ زمانہ میں جہاد کے نام سے جو غیر حکومتی سرگرمیاں جاری ہیں ان میں سے کوئی بھی شرعی جہاد نہیں ہے۔

۵۔ واردھا میں قائم شدہ انسٹی ٹیوٹ آف گاندھین اسٹڈیز کے تحت مختلف مذاہب کا ایک سیمینار ہوا۔ یہ پانچ دن (۲۳۔۲۷ نومبر ۲۰۰۳) تک جاری رہا۔ اس میں ہر مذہب کے لیے ایک دن خاص کیا گیا تھا۔ ۲۶ دسمبر کا دن اسلام کے لیے مخصوص تھا۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی۔ ۲۶ دسمبر کے اس پروگرام میں تفصیل کے ساتھ اسلام کا تعارف پیش کیا گیا۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ اس کی روداد انشاء اللہ الرسالہ میں شائع کردی جائے گی۔

۶۔اہنسائی وی (نئی دہلی) نے ۵ دسمبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔سوالات کا تعلق زیادہ تر اہنسا کے نظریہ سے تھا۔جوابات میں بتایا گیا کہ اہنسا یا عدم تشدد فطرت کا ایک اُصول ہے۔اس دنیا میں پُر امن طریق کار کے ذریعہ کام بنتے ہیں اور متشددانہ طریق کار کے ذریعہ کام بگڑ جاتے ہیں۔اسلام میں تشدد کا استعمال صرف ناگزیر دفاع کے لیے جائز ہے۔دفاع کے سوا کسی اور مقصد کے لیے تشدد ہرگز جائز نہیں۔اسلام میں اصل اہمیت امن کی ہے۔

۷۔ اہنسا ئی وی (نئی دہلی) کی ٹیم ۵ دسمبر ۲۰۰۳ کو مرکز میں آئی۔اُس نے صدر اسلامی مرکز کا ایک تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔اس انٹرویو کا موضوع اہنسا (عدم تشدد) تھا۔سوالات کے جواب میں بتایا گیا کہ اسلام کی تمام تعلیمات عدم تشدد کے اصول پر مبنی ہیں۔اسلام دین فطرت ہے اور فطرت تشدد کو پسند نہیں کرتی۔اس لیے اسلام میں بھی تشدد کے لیے کوئی جگہ نہیں۔اسلام میں جارحیت کی صورت میں ناگزیر ضرورت کے طور پر دفاعی جنگ جائز ہے۔جب پُر امن طریق کار کا اُصول قابلِ عمل ہو تو ہرگز تشدد کا طریقہ استعمال نہیں کیا جائے گا۔چنانچہ اسلام میں گوریلا وار، پراکسی وار، اعلان کے بغیر وار اور جارحانہ وار یہ سب سراسر ناجائز ہیں۔

۸۔ ہرمن روبنگھ (Herman Robongh) ایک برطانی اسکالر ہیں۔آج کل وہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے تحت ریسرچ کرر ہے ہیں۔اُن کی ریسرچ کا موضوع مولانا حمید الدین فراہی کا اصول تفسیر ہے۔اس سلسلہ میں وہ ۵ دسمبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز سے ملے اور مذکورہ موضوع پر تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ مولانا حمید الدین فراہی نے بعض پہلوؤں سے قرآن کی خدمت کی ہے مگر ان کا یہ کہنا کہ نظم، قرآن فہمی کی اصل کلید ہے، قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔اس لیے کہ یہ تصور نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے، نہ صحابہ کے اقوال سے اور نہ مفسرین کے اُصول تفسیر میں وہ ملتا ہے۔مولانا فراہی کی یہ اجتہادی غلطی ہے کہ انہوں نے قرآن فہمی کے سلسلہ میں ایک جزئی پہلو کو کلّی اہمیت دے دی۔

9۔ دہلی پیس سمٹ (Delhi Peace Summit) کی طرف سے نئی دہلی میں چنمیا مشن کے آڈیٹوریم میں ایک انٹرنیشنل کانفرنس ہوئی۔اس میں انڈیا کے علاوہ باہر کے ملکوں کے لوگ شریک ہوئے۔اُس کا موضوع انٹرفیتھ ڈائیلاگ تھا۔اُس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اُس کے ۸ دسمبر ۲۰۰۳ کے سیشن میں شرکت کی اور مذکورہ موضوع پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک تقریر کی۔اُن کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ مختلف مذاہب کے درمیان اختلافات ہیں۔ان کا فارمولا اسلام کی روشنی میں یہ ہے کہ — ایک کی پیروی کرو اور بقیہ کا احترام کرو: (Follow one and respect all) اگر بالفرض دو مذہبوں کے درمیان کسی وجہ سے ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوجائے تو اُس کو ہمیشہ امن کے دائرہ میں ہونا چاہیے۔اُس کو کسی بھی حال میں یا کسی بھی عذر کی بنا پر تشدد کا طریقہ نہیں

اختیار کرنا چاہیے۔ اس کانفرنس کی کارروائی پوری کی پوری انگریزی زبان میں ہوئی۔

۱۰۔ چنمیا مشن آڈیٹوریم (نئی دہلی) میں ۱۸۔۲۱ دسمبر ۲۰۰۳ کو ایک کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کا موضوع یہ تھا:

Religions in the Indic Civilisation

یہ کانفرنس سنٹر فار دی اسٹڈی آف ڈولپنگ سوسائٹیز، انٹر نیشنل ایسوسی ایشن فار دی ہسٹری آف ریلیجنس اور انڈیا انٹر نیشنل سنٹر کے تعاون سے کی گئی۔ ۲۱ دسمبر کے سشن میں اس کا موضوع تھا: مختلف مذاہب میں خدا کا تصور۔ اس سشن میں صدر اسلامی مرکز کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ پروگرام کے مطابق، انہوں نے گاڈ ان اسلام (God in Islam) کے موضوع پر آدھ گھنٹہ خطاب کیا۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا پروگرام تھا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتایا گیا کہ خدا کا تصور اسلام میں کیا ہے۔ یہ پورا پروگرام انگریزی میں ہوا۔ اس کانفرنس میں انڈیا اور باہر کے تقریباً ۵۰۰ تعلیم یافتہ افراد شریک ہوئے۔ خواہش مند افراد کو انگریزی کتابیں برائے مطالعہ دی گئیں۔

۱۱۔ رام کرشنا مشن (نئی دہلی) میں ۲۶ دسمبر ۲۰۰۳ کو ایک سیمینار ہوا۔ اس میں مختلف مذاہب کے نمائندے شریک ہوئے۔ اُس کا موضوع تھا: انٹر ریلیجس فیلوشپ (Inter-Religious Fellowship)۔ اُس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اُس میں شرکت کی اور وہاں اسلام کے نقطۂ نظر سے مذکورہ موضوع پر ایک تقریر کی۔ اُن کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام امن کا مذہب ہے۔ اُس کی تمام تعلیمات امن اور انسانیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ قرآن وحدیث کے دوسرے حوالوں کے علاوہ اُنہوں نے ایک مسنون دعا سنائی اور اس کا انگریزی ترجمہ بتایا جس کو لوگوں نے بہت پسند کیا۔ وہ دعا یہ ہے: **اللهم انت السلام و منك السلام واليك يرجع السلام ، حينا ربنا بالسلام و ادخلنا دارك دار السلام، تباركت ربنا و تعاليت يا ذا الجلال و الاكرام** ۔ یہ پورا پروگرام انگریزی میں ہوا۔

۱۲۔ ای ٹی وی (Enadu T.V.) کے اسٹوڈیو (Noida) میں ۲۸ دسمبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا ایک ٹی وی انٹرویو ریکارڈ کیا گیا۔ یہ آدھ گھنٹہ کے لیے تھا۔ اُس میں سوال و جواب کی صورت میں ''حج کی حقیقت'' کے موضوع پر اظہار خیال کیا گیا۔ آخر میں ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ حج کے سلسلہ میں گورنمنٹ کی سبسڈی میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ تمام مسلم ملکوں میں حاجیوں کو سفر حج پر سبسڈی دی جاتی ہے۔ علماء نے اس کو درست مانا ہے۔ اس طرح سبسڈی موجودہ زمانہ میں ایک عُرف بن چکی ہے۔ اس عرف کے مطابق، انڈیا کی گورنمنٹ اگر حاجیوں کو سبسڈی دیتی ہے تو یہ بھی اُسی طرح درست ہے جس طرح مسلم ملکوں میں سبسڈی درست ہے۔ مزید بتایا گیا کہ ہندستان کی حکومت غیر مسلم حکومت نہیں ہے، وہ ایک قومی حکومت ہے۔ انڈیا کے

مسلمان یکساں بنیاد پر اس قومی اور جمہوری حکومت میں شریک ہیں۔

۱۳۔ ہندی روزنامہ دینک بھاسکر (نئی دہلی) کے نمائندہ مسٹر جیندر کمار چودھری نے ۲۹ دسمبر ۲۰۰۳ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ اس میں ہندو۔ مسلم تعلقات اور انڈیا اور پاکستان کے تعلق کے حوالہ سے بہت سے موضوعات زیر بحث آئے۔ اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ برصغیر ہند میں پچھلے سو سال کے اندر کوئی بھی صحیح معنوں میں تعمیری لیڈر پیدا نہیں ہوا جو مثبت معنوں میں کوئی گہرا کام کرے۔ آج ہم اسی کمی کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ یہ بات ہندو اور مسلمان دونوں کے لیے درست ہے۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ علم کو صرف علم کے روپ میں دیکھنا چاہئے، علم کو ہندو اور مسلمان بنانا درست نہیں۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ ہندو یونیورسٹی اور مسلم یونیورسٹی دونوں سے ہندو اور مسلم کا لفظ نکال دیا جائے اور اُس کو صرف بنارس یونیورسٹی اور علیگڈھ یونیورسٹی کہا جائے۔

۱۴۔ بی بی سی لندن (bbc.co.uk) کی طرف سے مسٹر طفیل احمد کے دستخط سے ایک خط مورخہ ۳۱ دسمبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کے نام ملا۔ اس میں ایک مضمون کی فرمائش کی گئی تھی جس کو وہ بی بی سی لندن کے ویب سائٹ پر شائع کریں گے۔ یہ مضمون انگریزی میں ایک ہزار لفظ میں مطلوب تھا۔ اُس کا عنوان یہ تھا:

Relevance of Sufism in the Post-9/11 World

خط میں کہا گیا تھا کہ مضمون میں یہ بتایا جائے کہ کیا صوفی ازم مغرب اور اسلام کے درمیان دوری کو ختم کرسکتا ہے:

If Sufism has the possibility to bridge the widening gulf between the Islamic world and the west.

اس موضوع پر مطلوب مضمون تیار کر کے اُنہیں ۷ جنوری ۲۰۰۴ کو بھیج دیا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ موجودہ دوری نام نہاد سیاسی اسلام نے پیدا کی ہے اور صوفی اسلام بلاشبہہ اس دوری کو ختم کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ صوفی ازم کو جدید تقاضوں کے ساتھ سامنے لایا جائے۔ اس آرٹیکل کو بی بی سی کی ویب سائٹ (bbc.co.uk) پر شائع کیا گیا۔

۱۵۔ ست سری، نئی دہلی میں ۱۵ ہزار گز کے ایریا میں جدید طرز پر ایک ہولسٹک سنٹر (Holistic Centre) بنایا گیا ہے۔ اس کے چیرمین ڈاکٹر بی کے مودی ہیں۔ اس کے افتتاح کے طور پر ۲ جنوری ۲۰۰۴ کو بڑے پیمانہ پر اس کے ہال میں ایک فنکشن کیا گیا۔ اس میں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے شرکت کی۔ صدر اسلامی مرکز کو اس میں اسلام کے نمائندہ کے طور پر بلایا گیا۔ وہاں مختلف مذہب کے لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور ایک تقریر کی۔ اس تقریر میں انہوں نے اسلام کے ریفرنس میں امن اور روحانیت کی اہمیت بیان کی۔ ایک بات یہ کہی گئی کہ اسلام مکمل معنوں میں

امن کا مذہب ہے۔ اسلام کے نام پر تشدد کرنے سے کوئی تشدد اسلامی نہیں بن جاتا۔ تشدد ہر حال میں برا ہے۔ تشدد سے کبھی کوئی بہتر نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

۱۶۔ اٹلی کی ایک مذہبی تنظیم ہے۔ اُس کا نام یہ ہے: Association Culture Yogarmonia۔ اس کا صدر دفتر نوالے (Noale) میں ہے۔ اس کے چیرمین اٹمبری ماریو (Atombri Morio) ہیں۔ اس تنظیم کے سات ذمہ داروں کا ایک وفد اپنے چیرمین کی قیادت میں ۵ جنوری ۲۰۰۴ کو اسلامی مرکز آیا اور تقریباً دو گھنٹہ رہا۔ اُنہوں نے اسلام اور روحانیت کے موضوع پر صدر اسلامی مرکز سے تفصیلی بات کی۔ آخر میں اُنہیں ایک مسنون دعا سنائی گئی۔ اس کو اُنہوں نے بہت پسند کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ اس دعا کو ہم اپنے اجتماعات میں پڑھیں گے۔ اُن کی فرمائش کے مطابق، یہ دعا تین طریقہ پر لکھ کر اُنہیں دی گئی۔ عربی متن، عربی الفاظ کو رومن رسم الخط میں اور پوری دعا کا انگریزی ترجمہ۔ وہ دعا یہ تھی: اللھم انت السلام و منك السلام و اليك يرجع السلام. ربنا حينا بالسلام و ادخلنا دارك دار السلام. تباركت ربنا و تعاليت يا ذا الجلال والاكرام ۔

۱۷۔ آل انڈیا ریڈیو (نئی دہلی) کے نمائندہ مسٹر اے ایم رضا نے ۱۴ جنوری ۲۰۰۴ کو صدر اسلامی مرکز کا ایک ریڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ "صدائے سرحد" کے تحت تھا۔ سوال یہ تھا کہ حال میں ہند۔ پاک تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے جو کوششیں ہوئی ہیں اور دونوں ملکوں کے درمیان بس اور ریل چلائی گئی ہے اُس پر کیا تاثر ہے۔ بتایا گیا کہ یہ کوششیں اچھی ہیں۔ مگر ان سے کسی بڑے نتیجہ کی امید نہیں۔ بڑے نتیجہ کے لیے زیادہ گہری بنیادوں پر فیصلہ لینا ہوگا۔

۱۸۔ ستیہ سائی انٹرنیشنل سینٹر (نئی دہلی) میں ۱۴ جنوری ۲۰۰۴ کو ایک سیمینار تھا۔ اس میں ملک کے مختلف اسکولوں کے پرنسپل شریک ہوئے۔ صدر اسلامی مرکز کو یہ دعوت دی گئی کہ اس میں پانچ انسانی اقدار اسلام کی روشنی میں بتائیں۔ وہ اقدار یہ ہیں:

Truth, Right Conduct, Love, Peace, Non-violence.

اس موقع پر صدر اسلامی مرکز کو ایک گھنٹہ کا وقت دیا گیا تھا۔ اُنہوں نے تفصیل کے ساتھ مذکورہ موضوع پر قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کی۔

۱۹۔ آرنج، کیلی فورنیا (امریکا) میں ایک اعلیٰ سطح کا ادارہ ہے۔ اُس کا نام یہ ہے:

Global Ethics and Religion Forum

اس ادارہ کی ایک ٹیم ۱۵ جنوری ۲۰۰۴ کو اسلامک سینٹر میں آئی۔ اُس میں ڈاکٹر جوسف رنزو (Joseph Runzo) اور ڈاکٹر نینسی ایم مارٹن (Nancy M. Martin) وغیرہ شامل تھے۔ وہ اسلام اور مسلمان کے بارہ میں صدر اسلامی

مرکز کے خیالات جاننا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے ٹی وی چینل کے لیے صدر اسلامی مرکز کی ایک ٹاک ویڈیو پر ریکارڈ کی۔ یہ پوری ٹاک انگریزی میں تھی اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ اس میں عصر حاضر کے حوالہ سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں تفصیلی اظہار خیال کیا گیا۔ ٹیم کے افراد نے اس کو سُن کر بہت زیادہ پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ اس پوری ٹاک کے ویڈیو کیسٹ کی کاپی تیار کرکے وہ اسلامی مرکز کے لیے روانہ کریں اور اُس کو ایڈٹ کرکے اپنے ٹی وی چینل پر نشر کریں گے۔

۲۰۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا (نئی دہلی) کے نمائندہ مسٹر وددو ساجد نے ۱۵ جنوری ۲۰۰۴ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو زیادہ تر بابری مسجد کے مسئلہ پر تھا۔ اس سلسلہ میں مختلف حوالوں کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ اس معاملہ میں مسلمانوں کو حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ ۱۹۴۹ سے لے کر اب تک اس سلسلہ میں جو کوششیں کی گئیں وہ سراسر بے نتیجہ رہیں۔ اس لیے اب اس معاملہ میں از سرِ نو نئی پالیسی بنانے کی ضرورت ہے، ایسی پالیسی جو نتیجہ کو سامنے رکھ کر بنائی گئی ہو۔

۲۱۔ دوردرشن (نئی دہلی) میں ۱۹ جنوری ۲۰۰۳ کو ایک خصوصی پروگرام ریکارڈ کیا گیا جو ۲۵ جنوری کو دوردرشن پر نشر کیا گیا۔ اس کے تحت دوردرشن کے اسٹوڈیو میں ایک اجتماع کیا گیا۔ اس میں اسٹیج پر اینکر کے علاوہ وشنو ہری ڈالمیا (چیرمین وشو ہندو پریشد) اور صدر اسلامی مرکز کو بٹھایا گیا تھا۔ سامنے کی بنچوں پر تقریباً چالیس کی تعداد میں مسلمان موجود تھے۔ اس پروگرام کا موضوع یہ تھا، عقیدہ کا تعلق عدالت سے ہے یا نہیں۔ اینکر کی طرف سے اور حاضرین کی طرف سے بہت سے سوالات کیے گئے۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے صدر اسلامی مرکز نے کہا کہ اجودھیا کے نزاعی معاملہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ رام بھگوان کے اوتار تھے۔ یہ بلاشبہہ ایک عقیدہ کا مسئلہ ہے۔ اس میں عدالت کو دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ مگر جب یہ کہا جائے کہ رام اجودھیا کے فلاں مخصوص مقام (spot) پر پیدا ہوئے تو یہ تاریخ کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اب عدالت کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اس نزاع کا فیصلہ تاریخی شہادتوں کی بنیاد پر اُس کی بابت فیصلہ دے، اس سے قطع نظر کہ وہ کس کے خلاف ہے اور کس کے موافق۔

۲۲۔ ترکی کی باسفورس یونیورسٹی (استنبول) کے طلبہ کا ایک وفد ۷ فروری ۲۰۰۴ کو اسلامی مرکز میں آیا۔ اس کے قائد پروفیسر مارک لنڈلے (Mark Lindley) تھے۔ یہ لوگ جدید سیاق میں اسلام کو سمجھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے صدر اسلامی مرکز سے تفصیلی گفتگو کی۔ ان کے سوالات کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں دیا گیا۔ مثلاً ان کا خیال تھا کہ جدید حالات میں اسلام کے قانون پر نظر ثانی کی جائے تاکہ اس کو جدید تقاضوں کے مطابق بنایا جاسکے۔ موجودہ زمانہ میں اس نسبت سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں وہ اسلام کی غلط تشریح کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہیں۔ اسلام کو براہ راست قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ غلط فہمیاں بے بنیاد ثابت ہوں گی۔

۲۳۔ ۱۹ فروری ۲۰۰۴ کو بی بی سی لندن (ہندی) کی نمائندہ مسز ممتا گپتا نے صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ وہ لندن سے ٹیلی فون پر بول رہی تھیں اور صدر اسلامی مرکز نے دہلی سے اس کا جواب دیا۔ ایک سوال یہ تھا کہ حضرت محمد سے پہلے مکہ اور مدینہ کا مذہب کیا تھا اور دوسرا یہ کہ قرآن کا مصنف کون ہے۔ دونوں سوالوں کا جواب اسلامی تعلیم کی روشنی میں دیا گیا۔

۲۴۔ ۲۲ جنوری ۲۰۰۴ کو ہندی روزنامہ دینک بھاسکر (نئی دہلی) کے نمائندہ مسٹر نجیندر کمار چودھری نے ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق عید الاضحیٰ اور حج سے تھا۔ مختلف پہلوؤں سے اس پہلو کی وضاحت کی گئی۔ ایک بات یہ کہی گئی کہ عید الاضحیٰ اور حج دونوں کا مشترک پیغام یہ ہے کہ اپنے جذبات، اپنے اہنکار کو قربان کر کے لوگوں کے درمیان جینا سیکھو۔ لوگوں کے ساتھ شانتی سے رہو۔ پیغمبر والی زندگی کو اختیار کرو۔

۲۵۔ ہمالیہ پریوار کی طرف سے ۲۲ فروری ۲۰۰۴ کو کانسٹی ٹیوشن کلب، نئی دہلی میں ایک سیمینار ہوا۔ اس کا موضوع تھا: ہمالیہ کے علاقہ میں امن کس طرح قائم کیا جائے۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی اور اسلام کی روشنی میں موضوع پر اظہار خیال کیا۔ مقررین میں دوسرے مقررین کے علاوہ مسٹر بلراج مدھوک بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام محبت کی تعلیم دیتا ہے۔ نفرت کی تعلیم نہیں۔

۲۶۔ ۲۶ فروری ۲۰۰۴ کو ٹائمس آف انڈیا کی نمائندہ مز سکینہ یوسف خان نے صدر اسلامی مرکز کا ایک تفصیلی انٹرویو ٹیلیفون پر ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو آنے والے الیکشن کے حوالہ سے مسلم پالیٹکس کے بارے میں تھا۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ مسلم عوام سادہ اور انوسنٹ ہیں۔ مسلم معاملات کو بگاڑنے والے مسلم عوام نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کے نااہل لیڈر ہیں۔ تاہم اب مسلم عوام اُنہیں چھوڑتے جا رہے ہیں۔ مسلم عوام میں اب قدیم طرز کی منفی سیاسی سوچ ختم ہو رہی ہے، اب اُن کے اندر مثبت سیاسی سوچ اُبھر رہی ہے۔ اور یہ ایک صحت مند علامت ہے۔

۲۷۔ امریکا سے خواجہ کلیم الدین صاحب کا ایک ای میل ملا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:

Recently I was browsing through the internet under the name of Maulana Sahab. To my surprise I found Maulana's reference over 400 to 700 times under various search engines. I collected various articles and interviews by Maulana Sahab. (January 28, 2004)

۲۸۔ ایک نئی کتاب تیار ہوئی ہے جو جلد ہی شائع ہوگی۔ تقریباً دو سو صفحہ کی اس کتاب کا نام حکمت اسلام ہے۔ اس میں قرآن اور حدیث کے حوالہ سے اسلام کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

۲۹۔ اسلامی مرکز کے تحت کچھ نئی کتابیں چھپی ہیں۔ ایک انگریزی کتاب کا نام ہے: ان سرچ آف گاڈ۔ اور ایک اردو کتاب کا نام ہے: مطالعۂ حدیث۔

ماہنامہ الرسالہ کا انگریزی ایڈیشن

ماہنامہ الرسالہ کا انگریزی ایڈیشن بمبئی سے شائع ہو رہا ہے۔ ایڈیشن کا نام دی اسپریچول میسیج (The Spiritual Message) ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے:

دی اسپریچول میسیج، فی کاپی -/15 روپئے، سالانہ -/165 روپئے۔

خط وکتابت کا پتہ ہے:

The Spiritual Message
302, Koldongri CHS, Sahar Road
Andheri (East), Mumbai-400 099 (India)
Tel.: 2834 1654/ 28346079/ 2821 8609, Fax: 2823 6323
Email: hbshaikh@bom5.vsnl.net.in

الرسالہ کی نئی مطبوعات

- سیرتِ رسول — صفحات ۱۷۲
- امنِ عالم — صفحات ۲۰۸
- عورت: معمارِ انسانیت — صفحات ۲۵۰

ناگپور میں مولانا وحید الدین خاں کی عصری اسلوب میں فکر انگیز اسلامی کتابیں اور ماہنامہ الرسالہ حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:

Think Book Shop
Haidry Road, Mominpura
Nagpur-440 018

مطالعہ قرآن
مسائل اجتہاد
دین وشریعت

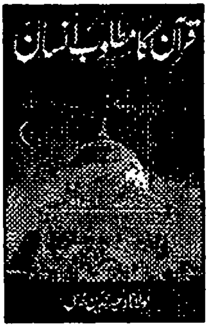
قرآن کا مطلوب انسان

تعمیر انسانیت

ڈائری
1991-1992

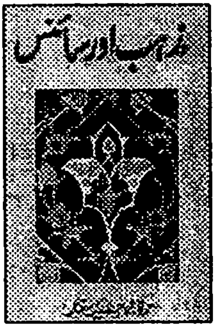
مذہب اور سائنس

اسفارِ ہند

سفرنامہ اسپین و فلسطین

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو، انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد والی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحب ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زر تعاون الرسالہ

ہندستان کے لئے		بیرونی ممالک کے لئے	(ہوائی ڈاک)	(بحری ڈاک)
ایک سال	Rs.110	ایک سال	$20/£10	$10/£5
دو سال	Rs.200	دو سال	$35/£18	$18.£8
تین سال	Rs.300	تین سال	$50/£25	$25/£12
پانچ سال	Rs.480	پانچ سال	$80/£40	$40/£18

Goodword Books Pvt. Ltd.

1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013

Tel. (9111) 2435 6666, 2435 5454 Fax: (9111) 2435 7333 e-mail: info@goodwordbooks.com

ORDER FORM (URDU BOOKS)

QUANTITY	PRICE	TITLES	QUANTITY	PRICE	TITLES	QUANTITY	PRICE	TITLES
	60.00	مضامین اسلام		12.00	مطالعہ سیرت (کتابچہ)		400.00	تذکیرالقرآن (مکمل مجلد)
	10.00	باغ جنت		80.00	ڈائری (جلد اول)		250.00	تذکیرالقرآن (پیپر بیک)
	10.00	نار جہنم		65.00	کتاب زندگی		85.00	اسباق تاریخ
	10.00	سچا راستہ		25.00	اقوال حکمت		60.00	تعمیر حیات
	10.00	دینی تعلیم		10.00	تعمیر کی طرف		50.00	تعمیر انسانیت
	10.00	خلیج ڈائری		20.00	تبلیغی تحریک		125.00	سفرنامہ غیرملکی اسفار جلد اول
	10.00	رہنمائے حیات		25.00	تجدید دین		125.00	سفرنامہ غیرملکی اسفار، جلد دوم
	10.00	تعدد ازواج		35.00	عقلیات اسلام		80.00	اسلام: ایک تعارف
	60.00	ہندستانی مسلمان		25.00	قرآن کا مطلوب انسان		60.00	اللہ اکبر
	10.00	روشن مستقبل		10.00	دین کیا ہے؟		50.00	پیغمبر انقلاب
	10.00	صوم رمضان		20.00	اسلام دین فطرت		65.00	مذہب اور جدید چیلنج
	8.00	اسلام کا تعارف		10.00	تعمیر ملت		35.00	عظمت قرآن
	20.00	علما اور دور جدید		10.00	تاریخ کا سبق		60.00	عظمت اسلام
	60.00	سفرنامہ اسپین و فلسطین		8.00	فسادات کا مسئلہ		10.00	عظمت صحابہ
	12.00	مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے		8.00	انسان اپنے آپ کو پہچان		80.00	دین کامل
	10.00	سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ		8.00	تعارف اسلام		45.00	الاسلام
	10.00	یکساں سول کوڈ		8.00	اسلام پندرہویں صدی میں		50.00	ظہور اسلام
	10.00	اسلام کیا ہے؟		12.00	راہیں بند نہیں		40.00	اسلامی زندگی
	40.00	میوات کا سفر		10.00	ایمانی طاقت		35.00	احیاء اسلام
	35.00	قیادت نامہ		10.00	اتحاد ملت		65.00	راز حیات
	8.00	منزل کی طرف		20.00	سبق آموز واقعات		40.00	صراط مستقیم
	125.00	اسفار ہند		10.00	زلزلۂ قیامت		60.00	خاتون اسلام
	100.00	ڈائری ۹۰-۱۹۸۹		12.00	حقیقت کی تلاش		50.00	سوشلزم اور اسلام
	70.00	قال اللہ و قال الرسول		8.00	پیغمبر اسلام		30.00	اسلام اور عصر حاضر
	90.00	ڈائری ۹۲-۱۹۹۱		10.00	آخری سفر		40.00	الربانیۃ
	80.00	مطالعۂ قرآن		10.00	اسلامی دعوت		45.00	کاروان ملت
	40.00	مذہب اور سائنس		20.00	حل یہاں ہے		30.00	حقیقت حج
	100.00	دین و شریعت		25.00	امہات المومنین		35.00	اسلامی تعلیمات
	60.00	مطالعۂ سیرت		85.00	تصویر ملت		25.00	اسلام دور جدید کا خالق
	10.00	خدا اور انسان		50.00	دعوت اسلام		40.00	حدیث رسول
	8.00	ہندستان آزادی کے بعد		40.00	دعوت حق		35.00	راہ عمل
	100.00	مسائل اجتہاد		80.00	نشری تقریریں		80.00	تعبیر کی غلطی
	120.00	مطالعۂ حدیث		60.00	دین انسانیت		25.00	دین کی سیاسی تعبیر
				50.00	فکر اسلامی		10.00	عظمت مومن
				50.00	شتم رسول کا مسئلہ		8.00	اسلام: ایک عظیم جدوجہد
				8.00	طلاق اسلام میں		8.00	تاریخ دعوت حق

RNI 28822/76 • U(SE) 12/2003-05
Delhi Postal Regd. No. DL/11154/2003-05